ان من البیان لسحرا

پُرالفتِ قومی سے ہے جنکا رگ و ریشہ

مرنے کو تو مرتے ہیں پہ جیتے ہیں ہمیشہ

(۲۱)

مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز

یعنی

جواد الدولہ عارف جنگ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب بہادر

کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔

بانئے مدرستہ العلوم علیگڑھ مرحوم و مغفور علیہ الرحمۃ کے تمام لکچر اور اسپیچیں

از ابتدائے سنہ ۱۸۶۳ء لغایت سنہ ۱۸۹۸ء تک

مرتبہ

جناب مولٰنا مولوی محمد امام الدین صاحب گجراتی سلمہ ربہ

حسب فرمائش

منشی محمد فضل الدین صاحب ککّے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری لاہور

سنہ ۱۹۰۰ء

مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور

قیمت فی جلد بلا جلد [illegible]

فہرست کتب از تصنیفات سر سیّد علیہ الرحمۃ

تفسیر القرآن

یعنی تفسیر اردو سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقر۔ مصنفہ سر سید مرحوم۔ سید صاحب تو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے لیکن یہ زندہ یادگار چھوڑ گئے جو ہر روز علماء کی مجلسوں میں بحث مباحثہ کے وقت ضرور پڑھی جائیگی زیر طبع۔ قیمت ... ... ملے

الخطبات الاحمدیہ

یعنی وہ دلچسپ کتاب جس میں مرحوم سر سید نے تاریخ عرب کے علاوہ اسلام کی مذہبی تاریخ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور عیسائی مورخوں کے بے جا اعتراضات کے جواب جو پاک مذہب اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ دنداں شکن جواب دئے ہیں جو قابل دید ہیں۔ درحقیقت اس مرحوم مغفور نے اس کتاب کی تصنیف طرح قابل تعریف ہے۔ جو شخص اردو زبان میں تاریخ عرب اور مذہب پاک اسلام کے حالات سے وا کرے نہایت اعلیٰ درجہ کے سفید کاغذ پر خوشخط طبع کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ... ۸ر

فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام

یعنی مکاتبات حضرت امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ جو اُن کی وفات کے بعد امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد الغزالی نے جمع کئے مرحوم نے نہایت کوشش سے ترتیب دیا اور صحت کے ساتھ مرتب کیا اور بعض مقامات پر نہایت دلچسپ نکٹ بھی کی قیمت ... ۹

خلق الانسان

اُس کے متعلق نئی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے پیدا ہوتا ہے لیکن ... کو دنیا پر روشن کر چکی ہے اسی مضمون کو سر سید احمد خاں مرحوم نے قرآن سے ... مطالعہ ... کے لئے ضروری ہے قیمت ۲۰

اس کتاب میں لفظ جن اور انس ...

اس مضمون کے متعلق قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے اور ... نہایت مدلل بحث کے بعد اصل حالات لکھے ہیں قیمت

ازالۃ الغین عن ذکر ذو القرنین

سکندر ذو القرنین کے حالات کے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور سد گریٹ وال اور حالات جو وانگ ٹی ذکر تاریخ چین جیمس کارکرن اور بنائے دیوار وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہے سر سید احمد خان صاحب مرحوم نے قرآن شریف سے یہ مضمون لیکر نہایت ہی اصلی حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب کے متن میں آیات قرآنی اور ترجمہ مع از دیاد مصنف کے ہے اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی ہے قیمت ۵ر

تحریر فی اصول التفسیر

اس کتاب میں نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب اور سر سید احمد خاں صاحب بہادر کی خط و کتابت بابت تفسیر قرآن سر سید احمد خان مرحوم نواب صاحب کو جس جگہ شبہ ہوا ہے یا انھوں نے جائز نہیں سمجھا اعتراض کئے ہیں سر سید نے بھی تسلی کے لئے جواب لکھے ہیں انھوں نے پھر جواب در جواب لکھا ہے۔ غرضیکہ عجیب دلچسپ سلسلہ بحث ہے اس کے ساتھ سر سید احمد خاں نے بھی بر خاستہ تفسیر لکھدیئے ہیں جس شخص نے سر سید کی تفسیر پڑھی ہے اُس کا فرض ہے کہ اس رسالہ کو بھی ضرور مطالعہ کرے تاکہ تفسیر جن اصولوں پر ہے معلوم ہو جائے قیمت ... ۵ر

...ن شمّل مجموعہ لکچرہائے سرسیّد احمد خاں نجم الہند واالاسلام

صفحہ	مضمون
٠	...ی تصویر سر سید احمد خان
٠	...جہ کتاب
۱	...ی دعا غدر کے فرد ہونے کے بعد اور ملک میں امن ہوجانے پر بمقام مراد آباد
۴	...ری دعا جامع مسجد آگرہ کی واگزادی پر بمقام آگرہ
۵	...ی د... بمقام بنارس
۸	...ی تحریر جو ... کے مکان پر پڑھی گئی
۱۵	...ر وکٹوریہ سکول کی بنا رکھنے پر بمقام غازی پور
۲۳	...بر دربارہ تقریر برٹش انڈین ایسوسی ایشن اضلاع شمال و مغرب بمقام علی گڑھ
۲۸	...ستانی سردار اور با وجاہت لوگ اپنے رعب داب کو ہموطنوں کی بھلائی میں ...طرح کام میں لاسکتے ہیں
۳۹	...ر اہل ہند کی ترقی پر بمقام بنارس بر مکان بابو فتح نرائن سنگھ
۵۰	...ر علاج ہومیوپیتھی پر بمقام بنارس
	...ون شائستگی اور تہذیب پر
	...سطے ترقی چندہ مدرسۃ العلوم مسلمانان بمقام ...
۱۳۷	
	...جلسہ سالگرہ ملکہ معظمہ ...
۱۴۰	...ی گورکھپور میں
۱۴۷	...چندہ مدرسۃ العلوم بمقام گورکھپور
۱۵۸	...نے کے مسودہ قانون پر رائے
۱۶۲	...رہ مسودہ قانون لوکل سلف گورنمنٹ
	...ت قانون...

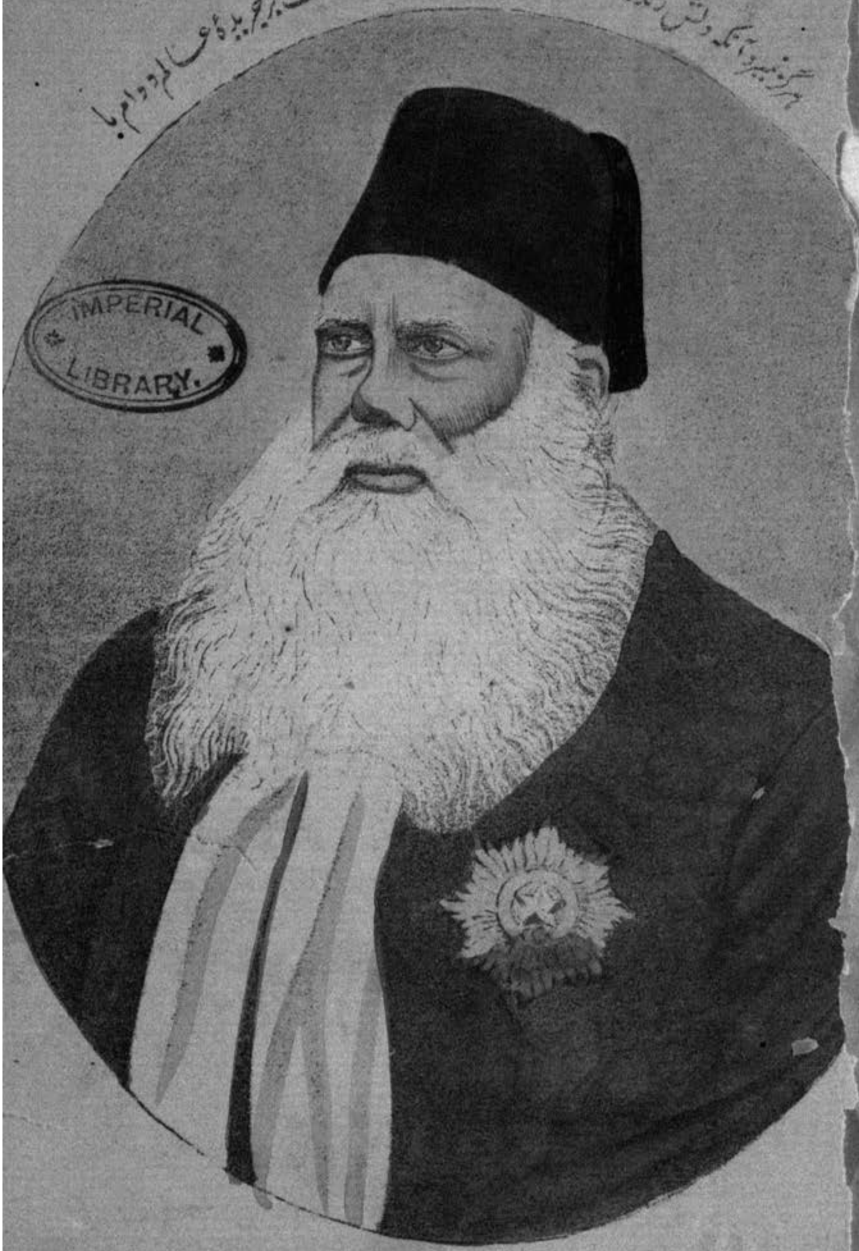
مضمون	شمارہ
تقریر دربارہ مدرسۃ العلوم بمقام عظیم آباد	۲۲
جواب ایڈریس انجمن اسلامیہ بریلی	۲۳
تقریر نسبت مسودۂ قانون ترمیم مجموعہ ضابطہ فوجداری	۲۴
تقریر قومی تعلیم قومی ہمدردی اور باہمی اتفاق پر بمقام لودھیانہ	۲۵
تقریر بجواب ڈپٹی قادر بخش خاں	۲۶
تقریر بجواب معین الدین احمد صاحب	۲۷
جواب سپاسنامہ جو من جانب انجمن مفید عام لودھیانہ پڑھا گیا	۲۸
تقریر بجواب مولوی فتح محمد صاحب مرحوم	۲۹
تقریر بجواب ایڈریسوں کے جو جا [illegible]	۳۰
اسلام کی موجودہ اور گزشتہ حالت [illegible] اور ہندوؤں انگریزوں اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق پر ناتمام مضمون	۳۱
تقریر مدرسۃ المسلمین امرتسر پر	۳۲
جواب ایڈریس جو مدرسین مدرسۂ مذکورہ بالا نے دیا	۳۳
تقریر بجواب ایڈریس انجمن اسلامیہ امرتسر	۳۴
جواب سپاسنامہ جو باشندگان گورداسپور نے پڑھا	۳۵
تقریر تعلیم اور اتفاق پر بمقام گورداسپورہ	۳۶
جواب ایڈریس [illegible] کی طرف سے پیش ہوا بمقام لاہور	[illegible]
تقریر [illegible]	۳۸
جواب ایڈریس [illegible] لاہور نے دیا	۳۹
تقریر بجواب ایڈریس انجمن اسلامیہ لاہور	۴۰
تقریر بجواب ایڈریس انجمن اسلامیہ گجرات	۴۱
تقریر اسلام پر بمقام لاہور ۱۸۸۴ء	۴۲
تقریر بجواب کورنش نوجوان مسلمانان جالندھر	۴۳
تقریر بجواب عربی و اردو ایڈریس بمقام مظفر نگر	۴۴
تقریر تعلیمی کانفرنس کے انعقاد کی ضرورت پر بمقام علی گڑھ [illegible] کیا گیا	۴۵

صفحہ	مضمون
۳۳۱	تقریر بتائید رزولیوشن جس میں مسلمان طالبان علم کے واسطے وظائف قائم کرنے کی تجویز کی گئی تھی بمقام لکھنؤ
۳۳۴	تقریر بتائید رزولیوشن جس میں جابجا چھوٹے چھوٹے ناقص مدارس کھولنے اور قوت کو متفرق کرنے کے نقصانات بیان کئے گئے ہیں بمقام لکھنؤ
۳۴۲	تقریر بتائید اس رزولیوشن کے کہ بذریعہ الہ آباد یونیورسٹی کے اس ملک میں تعلیم انگریزی کی اشاعت کی جاوے۔ میموریل بخدمت لفٹنٹ گورنر وائس چانسلر بھیجا جاوے
۳۴۳	تقریر متولیان اوقاف کے بارے میں
۳۴۵	قوم کو درباره امور سلطنت کے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے بمقام لکھنؤ
۳۶۱	تقریر مضمون بالا بمقام میرٹھ
۳۷۷	بنسبت رزولیوشن کے جس میں اوقاف مسلمانان ہند پر سرکار کو متوجہ کیا گیا ہے
۳۸۱	بتائید رزولیوشن بحث تعلیم نسواں بمقام لاہور
۳۸۶	بتائید رزولیوشن کہ ہر ایک ضلع کے صدر مقام میں تعلیمی کمیٹی قائم کیجائے بمقام لاہور
۳۸۸	جواب قصیدہ عربی مولوی عبد المجید صاحب لاہوری بمقام لاہور
۳۹۰	بجواب ایڈریس جو پنجابی مسلمان طالبان علم کی طرف سے پیش ہوا بمقام لاہور
	مدرستہ العلوم علی گڑھ کے تاریخانہ حالات اور جدید واقعات پر بمقام علی گڑھ
	بنسبت ایک رزولیوشن کے کہ اعلیٰ یا عام تعلیم کے نافع ہونے کی تحقیق پر بمقام علی گڑھ
۴۴۱	حیدرآباد کے ٹیکنیکل کا ووٹ پاس کرانے پر بمقام علی گڑھ
۴۴۴	پیش کردہ مولوی بشیر الدین صاحب
۴۴۷	جوبلی ریڈنگ ہٹ میں مدرستہ العلوم کی نسبت کی
۴۴۹	بنسبت تعلیم زبان پارسی در الہ آباد یونیورسٹی
۴۵۹	تعلیم کو ترقی دینے کے واسطے مدارس کی خواندگی میں کوئی تبدیل نہ کرنا چاہئے
۴۷۰	بتائید رزولیوشن درباره فراہمی فرامین و مواہیر وغیرہ
۴۷۲	طفیل حسین اور قاضی سید رضا حسین کے انتقال پر ماتم کا ووٹ
۴۷۴	بر مولوی حالی کی نظم پر
۴۷۵	تقریر بہ نسبت تعلیم نسواں بمقام علی گڑھ

شمارہ	مضمون
۶۹	تقریر بنسبت انتظام نگرانی تعلیم مسلمان طلباء عازمان انگلستان
۷۰	طلبائے سرکاری مدارس کو مذہبی تعلیم دیئے جانے کے رزولیوشن پر تقریر
۷۱	مسلمان طلباء عازمان فرنگستان کو زنان غیر اقوام سے شادی کرنے کی ممانعت کے رزولیوشن پر تقریر
۷۲	تقریر بہ نسبت طب یونانی
۷۳	گفتگو بہ نسبت تجویز پیش کردہ مسٹر بیک پرنسپل علی گڑھ کالج
۷۴	خطاب بطرف مسلمانان ہندوستان
۷۵	مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ
۷۶	مسلمانوں میں تعلیم کے ناکافی ہونے پر مایوسی بھرا رزولیوشن اور تقریر
۷۷	قوم کی قسمت پر عمدہ فیصلہ ہونے پر تقریر
۷۸	منشی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کی تقریر پر ریمارک
۷۹	سید مسعود کی بسم اللہ کی تقریب پر تقریر
۸۰	تقریر جو طلبائے مدرسۃ العلوم کے سامنے کی
۸۱	تقریر متعلق اجلاس نہم تعلیمی کانفرنس بمقام علی گڑھ تقریر صدر مجلس بجواب لکچر
۸۲	تقریر درباب ترغیب و تحریص تعلیم اطفال مسلمانان بمقام شاہ جہان پور
۸۳	اطلاع بابت اجرائے اخبار پنجاب ابزرور
۸۴	سپیچ متعلق اجلاس یازدہم تعلیمی کانفرنس بمقام میرٹھ

تاریخ ولادت ۵ ذوالحجہ سنہ ۱۲۳۲ ہجری   تاریخ وفات ۵ ذیقعد سنہ ۱۳۱۵ ہجری

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما



شبیہ

فضیلت مآب قدسی صفات سید السادات الکرام نجم الہند و الاسلام خیر خواہ اسلام و اسلامیان۔

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان "علیہ الرحمۃ والغفران"

بانی مدرسۃ الاسلام للمسلمین علیگڈہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

خطبہ اور لکچر دو (مرادف) لفظ ہیں۔ جن کا مفہوم واحد ہے۔ دنیا کا یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ ہر فرد بشر فصیح و بلیغ ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ مگر یہ صفتِ خاص۔ خاص خاص دل و دماغ کے اشخاص سے علاقہ رکھتی ہے اور دل و دماغ حوصلہ و مستقل مزاجی وغیرہ بہ تفاوت اُس واہب العطایا نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں ؎

ہماں رست باید کہ یزداں بکشت

یہاں عوام کا تو کیا ذکر انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھی تو لکھا ہوا پاتے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیہ پس تواریخ کے اُلٹ پھیر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ کہ کسی زمانہ میں فصاحت و بلاغت سے کلام کرنا خاص الخاص اشخاص اہل یونان کا حصہ تھا۔ پھر بمرور زمانہ اہل روما کو یہ نعمت الٰہی چند ایام کے لئے نصیب ہوئی۔ تاں بعد عربوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ چنانچہ اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر یہاں تک فخر و ناز تھا کہ باقی دنیا کو اعجم و گونگ۔ ہیچ اور کمتر از ہیچ خیال کرتے تھے۔ عین اسی زمانہ میں خداوند تعالٰے نے حضرت محمدؐ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنا پاک کلام (قرآن مجید) نازل فرمایا۔ جس کو حضرت مولنا حالی صاحب اپنے مسدس میں اس طرح پر فرماتے ہیں ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا۔ یا صوتِ ہادی	عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگا دی	اِک آواز میں سوتی بستی جگا دی

اِس کلام پاک (قرآن مجید) کی فصاحت و بلاغت و مقدس و سراپا برکت مضامین نے لاکھوں اصلاحات مخلوقات الٰہی کے ساتھ ہی عربی لٹریچر کی بھی بالکل کایا پلٹ دی۔ اور ہمیشہ کے لئے عملی طور پر فیصلہ ہو گیا۔ جس کو دنیا نے سرِ تسلیم خم ہو کر یقینی طور پر مان لیا۔ کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں سب فصاحت و بلاغت ہیچ ہے۔ ہاں بزرگانِ سلف اہل اسلام اور شاگردانِ پاک کلام (قرآن مجید) میں سے بڑے بڑے ادباء و خطباء جن کو افصح الفصحاء اور ابلغ البلغاء کے خطابات قوم کی طرف سے ملتے رہے۔ اس صفحہ ہستی پر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ آخر ہر کمالے را زوالے۔ جب گردونِ دوں نے اس قوم کو بھی مثل قرون اُولٰے پائمال کرنے میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑنا نہ چاہا۔ تو یہ سعادت و داد الٰہی بھی۔ مغربی جزائر کی طرف روانہ ہوئی۔ اور انگریزی لکچروں اور اسپیچوں میں اپنے ناز و انداز اور جلوے و کرشمے دکھانے لگی ؂

ملک ہند کے چند ایک برگزیدہ بنگالی صاحبان جو انگریزی زبان سے حصہ وافر رکھتے تھے۔ انگلستان و غیرہ ممالک فرنگستان سے مغربی تعلیم کے اعلےٰ مضامین اور شستہ طرز تحریر کا کچھ حصہ اپنے وطن میں لائے۔ مگر اُردو علم ادب تا وجودیکہ ایک قالب بے روح کی مثال رکھتا تھا۔ ایک ذرہ بھر بھی اُس کو ان صاحبان سے فائدہ نہ پہنچا۔ بلکہ اس بیچاری زبان اردو میں تو ایسے ایسے ناپاک اور لغو خیالات بھرے پڑے تھے۔ جن سے مثل پیر بضاعت گندہ ہو رہی تھی اور کوئی ایسا شخص بھی موجود نہ تھا جس کو ان گندہ خیالات سے کم از کم تعفن ہی تو آتا۔ اور جو بالخصوص مسلمانوں کی ردی حالت تھی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ کہ یکایک۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ اور ہندوستان کے بیت ل (دلی) کے اعلےٰ خاندان سادات سے ایک شخص اُٹھا جو نیچرل آ ریٹر۔ فطرۃً مستقل مزاج قدرۃً **دردمند قوم**۔ دیانت کا پُتلا امانت سچا نمونہ۔ دل و دماغ کو اپنے ساتھ رکھنے والا اور اپنے وقت کا **ریفارمر** تھا جب اُس نے مُلک کی وہ صورت دیکھی کہ دیکھنے میں نہ آئے۔ اور قوم کی وہ حالت دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھائے یعنی کوئی خرابی۔ کوئی برائی کسی قسم کا جہل مرکب نہ تھا جو قوم کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو۔ تو اس کے **دل** کو سخت چوٹ لگی۔ اور کئی ایک پیرایوں سے اُس کی درستی اور اصلاح کے لئے ہاتھ پانوں مارے۔ اور مقدس مولوی صاحبان کی خدمت میں نہایت ادب سے التجا کی کہ طوفان بے تمیزی اور ادبار کی کالی گھٹائیں قوم پر چھا رہی ہیں۔ جن سے موجودہ صورت میں نہ ان کی دُنیا رہتی نظر آتی ہے۔ نہ دین۔ خدا کے لئے اس کی فکر کرو۔ مگر ان بزرگوں نے جو رفتار زمانہ سے بالکل بے خبر تھے۔ اس کی حامی نہ بھری بلکہ جہاں تک ہو سکا دیوانہ' کافر' ملحد' وغیرہ کہنے میں کمی نہ رکھی۔ تب اِس **شیدائے قوم** نے خود کمر ہمت چست باندھی۔ اور طریق انبیاء علیہم السلام بالخصوص اپنے **نانا** پاک حضرت **رسُول مقبول** صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی پیشہ (لکچر دینا) اختیار کیا اور اسی دُھن میں اِس نے انگلستان کا سفر کیا جہاں پر اپنی متبرک کتاب **خطبات** کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر دُنیا میں مشتہر کیا۔ اور بیشمار معلومات قوم کے لئے حاصل کر کر واپس آیا۔ اب انگریزی طرز تحریر کے سانچہ میں اردو لٹریچر کی ایسی کانٹ چھانٹ کی کہ بیچاری اُردو جو ایک بدہیئت ڈاین تھی۔ اُس میں نئی روح کے پھونکنے اور عمدہ لباس پہنانے سے ایک پاکیزہ دُلہن بنا دیا۔ یہ بالکل سچ ہے۔ کہ جو الفاظ پند و نصائح کے انسان کے دل سے نکلتے ہیں۔ وُہی دلوں پر اثر کرتے ہیں (ورنہ یوں تو اپنی جگہ ہر ایک لکچرار ناصح ہے) پس **سرسیّد** مرحوم بھی جن کا دل قدرت نے دردمند اور حلیم بنایا تھا۔ موجودہ بنی نوع انسان خصوصًا مسلمانوں کی قوم کی ردی حالت کو دیکھ کر یہاں تک بے بس ہو جاتا تھا کہ جنہوں نے دیکھا ہے وُہی جانتے ہیں ✤

لکچر یا اسپیچ دیتے وقت مسلمانوں کی قوم کی جو ایک زمانہ میں دنیا بھر کی اقوام میں سے برگزیدہ و سرآمدہ قوم ہو گذری ہے۔ موجودہ افلاس کا خاکہ کھینچتے وقت از خود رفتگی کا عالم طاری ہو جاتا۔ خود بذاتہ بے بس ہو کر سوز دردِ دل سے رونا۔ اور اُن شعلہائے آتشیں سے جو اُس شکستہ اور دردمند دل سے نکلتے تھے۔ برق الخاطف کی طرح حاضرین کے خرمن دلہا میں جا لگنا۔ پاک اسلام اور **بانی اسلام** صلی اللہ علیہ وسلم پر یہاں تک شیفتگی کہ ایک دفعہ اُن کا **اسم مُبارک** زبان پر آ جاتا۔ تو بے اختیار اشکوں کا سیل چہرہ پر جاری ہو جاتا۔ یہ سب کچھ ایک جہان کے **مشاہدہ** میں آ چکا ہے۔

جس کو ابھی کچھ بہت عرصہ نہیں گذرا۔ اور جو کچھ اس نے کر **دکھایا** وہ سب کے سامنے ہے ✦

یہی تو باعث تھا۔ کہ گرتی ہوئی قوم کو از سرِ نو مستعد کر دیا۔ لاکھوں روپے قوم اور غیر قوم سے لے کر قوم پر لگا دیئے اور ہزاروں بہتری کے کاموں کے ساتھ ہی ایک ایسا بے نظیر **کالج** مسلمانوں کی قوم کیلئے **علیگڈھ** میں بنایا کہ کوئی کالج بھی ہندوستان میں اسکی ہمسری نہیں کر سکتا۔ اب اس کا سنبھالنا یا نہ سنبھالنا قوم کا کام ہے۔ غرض اپنا سب مال و اسباب اور آخر کو **جان** بھی قوم پر تصدق کر دی۔ اور جن کانوں نے انجمنوں، سوسائٹیوں، وغیرہ کے کبھی نام تک نہ سُنے تھے۔ اور جن لوگوں کے پاس لیکچر اور سپیچ کا قافیہ باندھنے کے لئے الفاظ تک موجود نہ تھے اپنی روحانی اور خداداد طاقت سے۔ بذریعہ لیکچروں و سپیچوں وغیرہ کے اُن میں تازہ ولولہ و جوش پیدا کر دیا۔ غرض موافقین و مخالفین (سر سید مرحوم کسی کو اپنا مخالف نہ جانتے تھے) **سر سیّد** مرحوم کی کلام فیض التیام کے ایک ایک لیکچر اور سپیچ سے ہزاروں فائدے اُٹھا چکے ہیں۔ اور اسی سبب سے مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات پر جو ہر ایک قوم نے رنج و الم ظاہر کیا کہ کُل ملکی اخبار و رسالے سیاہ ہو کر نکلتے رہے۔ انگریزی، عربی، فارسی، اُردو، وغیرہ زبانوں میں وہ وہ دلسوز مرثیے لکھے گئے جن کو کوئی اہلِ دل پڑھ کر رقت اور نیچرل کا باج ادا کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ غرض ہم نے تو بہت ہی کم بزرگانِ دینِ اسلام کے نام تواریخ میں پڑھے ہونگے جنکی وفات پر اس قدر لوگوں کو غم و الم ہوا ہو۔ اور فی الحقیقت قبولِ عام اسی کا نام ہے۔ شمس العلماء حافظ مولوی **نذیر احمد** صاحب سچ فرماتے ہیں ؎

مرے پر اپنے اور بیگانے **سر سیّد** کو روتے ہیں

خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں

مگر کیا ایسے انسانِ کامل اور فردِ اکمل کے لیکچروں اور سپیچوں سے فائدہ اُٹھانا موجودہ نسلوں کے لئے ہی ہوتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اِن دُرِ شاہوار و لآلی آبدار سے جن کے ایک ایک جملے اور فقرے میں ہزاروں تجربات زمانہ بھرے پڑے ہیں۔ ہر ایک زمانہ کے احباب کا حصہ ہونا چاہئے۔ اور اگر موجودہ اور آیندہ نسلیں ان نصائح دلپذیر پر کاربند رہینگی تو یقین ہے کہ وہ ہر قسم کے آفات زمانہ سے مامون۔ اور ہر ایک طرح کے صدمہ سے مصؤن رہینگی ✦

اسی غرض کو مدنظر رکھ کر مخدومی **احمد بابا** لاہوری جو قرآن مجید کے عاشق اور مسائل اسلامی کی تحقیق میں اپنی زندگی کا بہت سا حصہ صرف کرنے والے اور **سر سیّد** مرحوم کی تفسیر و لیکچروں اسپیچوں کے شیفتہ اور دلدادہ ہیں اور جنکا ہمیشہ دلی مُدعا یہی رہا ہے کہ اُس دینی اور دنیوی حکیم یعنی سید السادات **سر سیّد** مرحوم کی تحریروں کا ایک لفظ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ اور مسلمانوں کی قوم کے بہی خواہ جناب منشی **محمد فضل الدین** صاحب تاجر کتب **قومی** لاہور جنہوں نے قریباً کُل تصانیف **سر سید** مرحوم و مغفور کو شائع کرنے میں اپنا بے شمار سرمایہ صرف کر دیا ہے۔ ان دونو بزرگوں نے **بندہ** کی طرف اشارہ کیا۔ کہ مرحوم و مغفور کے لیکچروں اور اسپیچوں کو مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ سب کے سب جمع کرو پس یہ احقر العباد جس کا یہ حال تھا۔ کہ **سر سیّد** مرحوم کی خضر صورت کے نظر نہ آنے کے باعث طبیعت سخت اُچاٹ ہوگئی تھی۔ اور کوئی شغل دل کو نہ بھاتا تھا۔ کتاب اللہ کی معمولی منزل کے بعد۔ باقی نہ کوئی نئی قسم کا رسالہ پسند آتا تھا

نہ کوئی اخبار۔ نہ کسی نئی تصنیف کا لطف نہ کوئی تازہ افکار۔ غرض جس کو دیکھا ایک طومار بے معنی جس کو چکھا بے مزہ اور پھیکا پایا۔ ناچار میں نے اِن لکچروں اور اسپیچوں کی تلاش میں کتابوں اور اخباروں کی ورق گردانی کو اپنا شغل بنایا۔ فرد

گر وصالِ یار نبود با خیالش ہم خوشم
کلبۂ درویش را شمعے بہ از مہتاب نیست

اور اِس مجموعہ کو جو پبلک کے سامنے آتا ہے۔ جمع کیا۔ سوائے **خطبات الاحمدیہ** کے خطبوں یا لکچروں کے آپ شاید ہی کوئی ایسا متفرق لکچر علٰحدہ رہگیا ہوگا۔ جو اس مجموعہ میں شامل ہونے سے نظرانداز ہو گیا ہو۔ ورنہ جس قدر اس ہیچ میرز سے ہوسکا اپنے کام میں غفلت نہیں کی۔ قبل ازیں منشی محمد فضل الدین صاحب نے جو مجموعہ لکچروں کا چھاپا تھا فی الحقیقت اُس سے بھی بندہ کو گونہ امداد ملی +

اس مجموعہ میں **مذہبی - اخلاقی - تمدنی** وغیرہ سب قسم کے لکچر شامل ہیں۔ اور میں اُن کو قسم وار کرسکتا تھا۔ مگر ایسا کرنے میں ان کے تاریخ وار ہونے کی ترتیب بگڑ جاتی تھی۔ اس لئے میں نے تاریخ کی قید توڑنا قسم وار کرنے کی ترتیب سے زیادہ مناسب سمجھا +

مخدومی **احمد بابا** رینہ صاحب موصوف اس کتاب کی تصحیح و ترتیب میں اپنا بیش قیمت اور لاثانی وقت صرف فرماتے رہے اور ماسٹر **عبدالعزیز** صاحب گجراتی جو ورق گردانی میں میرے مددگار رہے ہرطرح سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اور خداوند تعالےٰ اُن کو اجر نیک عطا فرمائے۔ میری آخری التجا اور گذارش ناظرین کی خدمت میں یہ ہے۔ کہ ان نصائح ارجمند و پندہائے سُودمند سے متمتع ہوکر **سرسیّد** مرحوم کے حق میں صدق دل سے دعائے مغفرت کریں اللہ تعالےٰ ایسے ہمدرد قوم کو ہمیشہ بہشت بریں میں رکھے + آمین ثم آمین +

آخر میں اس قدر عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے جملہ حقوق اپنے دوست منشی **محمد فضل الدین** صاحب تاجر کتب **قومی** کو دیدئے ہیں۔ منشی صاحب موصوف اس کے طبع کرانے اور شائع کرنے کے ہرطرح پر مالک و مختار ہیں کوئی صاحب بغیر اجازت منشی صاحب مذکور کے اس کے چھپوانے کا ارادہ نہ کرے +

۲۱ - فروری ۱۹۰۰ء

بندہ **امام الدین**
از گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرسید نے مختلف موقعوں اور مقاموں پر تین دعائیں پڑھی ہیں۔ ہم ان تینوں دعاؤں کو اس کتاب کے شروع میں درج کرتے ہیں پہلی دعا ۱۸۵۸ء میں بمقام مرادآباد ۱۸۵۷ء کے غدر کے فرو ہونے اور ملک پر پھر انگریزی تسلط ہو جانے اور ملکہ معظمہ دام ملکہا کے اشتہار معافی جاری کرنے کے شکریہ میں پڑھی تھی۔ دوسری مناجات آگرہ کی جامع مسجد کے ضبطی سے چھوٹنے پر بمقام آگرہ پڑھی تھی۔ تیسری ۲۷۔ فروری ۱۸۷۲ء کو ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز کے شکریۂ صحت میں بمقام بنارس پڑھی تھی اور اس کے خاتمہ پر سجدۂ شکر کیا گیا تھا ؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے خدا تو ہی ہمارا حقیقی پروردگار ہے۔ اے خدا اصلی بادشاہت اور حقیقی سلطنت تجھ ہی کو سزاوار ہے۔ اے خدا مالک الملک تو ہی ہے جسکو تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسکو تو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اے خدا سارا عالم اور تمام مخلوقات کی جانیں اور سب آدمیوں کے دل تیرے ہاتھ میں ہیں جس طرف تو چاہتا ہے انکو پھیرتا ہے اور جو تو چاہتا ہے سو کرتا ہے تیرا کوئی کام حکمت اور رحمت سے خالی نہیں تیرے کام میں کسی کو چون و چرا کی قدرت نہیں ؛ اے خدا ہم تیرے عاجز بندے سرتاسر تیرے گنہگار ہیں۔ اے خدا ہماری شامت اعمال نے ہمکو گناہ کے دریا میں سرتک ڈبو دیا ہے۔ اے خدا ہر وقت ہم تیرے تقصیروار ہیں۔ جب تک تیری مدد نہ ہو ہم

ایاک ہے ہم گناہ سے پاک نہیں رہ سکتے - اے خدا تیرے سوا کوئی ہمارے گناہ بخشنے والا نہیں - اے خدا تیرے سوا ہم گناہ کے دریا میں ڈوبے ہوؤں کا کوئی تیرانے والا نہیں - ہم نہایت عاجزی اور کمال انکسار سے اپنے گناہوں کی معافی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تجھ سے چاہتے ہیں - اے خدا تیرے غضب سے تیری رحمت سبقت لے گئی ہے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے گناہ معاف کر - اے خدا جس طرح تیری حکمت سے میلا کپڑا میل سے پاک ہوتا ہے اسی طرح ہمکو ہمارے گناہوں کی ناپاکی سے پاک کر - اے خدا اپنی بے انتہا رحمت سے ہمارے دل کو تمام برائیوں سے اور تمام ناپاک چیزوں سے جو دل کو ناپاک کرتی ہیں صاف کر - اے خدا ہمارے دل کے گناہوں کو مٹا اور ہماری روح کو روح القدس کی تائید سے قوی کر کیونکہ تیرے سوا ہمارا حقیقی ماوا اور اصلی ملجا اور کوئی نہیں - آمین ٭

۲ الٰہی ہمارے گناہ حد سے زیادہ ہو گئے تھے - الٰہی ہماری شامت اعمال کی کچھ انتہا نہیں رہی تھی - اگرچہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال کی سزا اور جزا کا ایک دن بے شک آنے والا ہے - جس کا تو نے اپنے سچے نبیوں کی کتابوں میں وعدہ کیا ہے - اور اُس دن تیری رحمت اور تیرے فضل کے سوا کسی طرح چھٹکارہ نہیں - کیونکہ تیرے آگے سب گنہگار ہیں - مگر اِن پچھلے دو برسوں میں جو تیری نگاہ قہر آلود تیرے عاجز بندوں کی طرف ہوئی وہ بے شک ہمارے شامت اعمال کا ظاہری نتیجہ تھا - الٰہی ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں - الٰہی ہم اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتے ہیں - الٰہی تو ہمارے گناہ سب معاف کر - آمین ٭

۳ الٰہی یہ پچھلا زمانہ تیری مخلوقات پر ایسے گزرا کہ انسان اور حیوان تمام چرند و پرند بلکہ شجر و حجر کسی کو چین اور آرام نہ تھا - کوئی شخص اپنی جان و مال و آبرو پر مطمئن نہ تھا - ان پچھلے فسادوں نے زمین و آسمان کو گویا اُلٹ پلٹ کر دیا تھا - الٰہی تو نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام فسادوں اور آفتوں کو دُور کیا - الٰہی تو نے پھر اپنے عاجز بندوں پر رحم کیا اور جو امن اور آسائش اُن بدبخت برسوں سے پہلے تو نے اپنے بندوں کو دی تھی پھر وہی امن اور آسائش تو نے اپنے بندوں کو نصیب کی - الٰہی تیرے اس رحم کا ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں - الٰہی تو ہمارے اس شکرانہ کو جو تیری درگاہ اور تیرے عظیم الشان دربار کے لائق نہیں ہے اپنے فضل و کرم سے قبول کر - آمین ٭

۴- الٰہی تیرا ایک بہت بڑا احسان اپنے بندوں پر یہ ہے کہ اپنے بندوں کو عادل اور منصف حاکموں کے سپرد کرے۔ سو برس تک تو نے اپنے اُن بندوں کو جنکو تو نے خطہٴ ہندوستان میں جگہ دی ہے اسی طرح عادل اور منصف حاکموں کے ہاتھ میں ڈالا۔ پچھلے کمبخت برسوں میں جو بسبب نہ ہونے ان حاکموں کے ہماری شامتِ اعمال ہمارے پیش آئی اب تو نے اسکا عوض کیا اور پھر وہی عادل اور منصف حاکم تو نے ہم پر مسلط کیئے۔ تیرے اس احسان کا ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں۔ تو اپنے فضل و کرم سے اسکو قبول کر۔ آمین +

۵- الٰہی جو بھلائی کہ تیرے بندے کو کسی تیرے بندے سے پہنچتی ہے وہ درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے۔ اور اس تیرے بندے کا شکر ادا کرنا درحقیقت تیرا ہی شکر ادا کرنا ہے۔ سب کے دلوں کا حال تجھ پر روشن ہے۔ کیونکہ تو دانائے نہان و آشکارا ہے۔ اہل ہند جو اس اتفاقیہ آفت میں گرفتار ہو گئے تھے ان پر رحم کرنا تو نے ہی ہمارے حکام کے دل میں ڈالا۔ تیرے ہی القا سے ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا دام سلطنتہا نے پُر رحم اشتہار معافی کا جاری کیا۔ ہم دل سے اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی جان سے ملکہ کو دعا دیتے ہیں۔ الٰہی تو اس ہماری دعا کو قبول کر آمین۔ الٰہی ہماری ملکہ وکٹوریا ہو اور جہاں ہو +

۶- تمام اہل ہند ناظم کشور ہند ویسرائے لارڈ کیننگ دام اقبالہم کا یہ رحم اور احسان کبھی دل سے نہیں بھولینگے۔ جس نے تمام اصلی حالات فساد پر غور کر کر اس پُر رحم اشتہار جاری ہونے کی صلاح دی اُسکی مستحکم رائے کسی طرح اس معاملہ میں نہیں ڈگمگائی جس سے تمام رعایا نے امن پایا۔ تمام اہل ہند اس کے اُس احسان کے بندے ہیں۔ اور دل و جان سے اسکو دعا دیتے ہیں۔ الٰہی تو ہماری دعا قبول کر آمین۔ الٰہی جہاں ہو اور ہمارا ویسرائے لارڈ کیننگ ہو +

۷- اہل ہند رحم کے اُس سے بہت زیادہ خواہشمند ہیں۔ جتنا ایک پیاسا نہایت گرمی کی شدت اور آفتاب کی تیزی اور دھوپ کی تپش اور ریتے کے جنگل میں پانی کی آرزو رکھتا ہو۔ جس حاکم کو دیکھتے ہیں کہ اُسکی رحم کی نظر ہے اُسکو دل سے پیار کرتے ہیں۔ اُسکا دل سے شکر ادا کرتے ہیں۔ تمام اہل ہند جانتے ہیں کہ اصلی حالات فساد پر غور کر کر نہایت رحم کی نگاہ سے اہل ہند کو مسٹر ریڈ صاحب بہادر ممبر صدر بورڈ نے دیکھا ہے۔ اس لیئے اُن کا شکر ادا کرتے ہیں اور دل سے اُن کو دعا دیتے ہیں۔ الٰہی تو ہماری اس دعا کو

قبول کر آمین - الٰہی ہمارا مسٹر ریڈؓ ہمیشہ سلامت رہے +

۸ - اب ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیشہ فضل و کرم اور امن و امان چین چان رکھے اور تمام رعایائے ہند کو اطاعت گورنمنٹ سے سُرخروئی دے اور ہمارے حکام اپنی رعایا اور خدا کے بندوں پر مہربان رہیں - آمین - وصلی اللہ تعالیٰ علےٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمدُ للہ ربّ العالمین +

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اے ہمارے مقدّس خدا تیرا نام ازل سے مقدس ہے - اے قدّوس مطلق تیرا نام ابد تک مقدس رہے گا - اے ذات پاک تو اپنے آپ ہی مقدس ہے - اگر سارا جہان تیری تقدیس کرے جب بھی تیرے مقدّس ہونے میں کچھ زیادتی نہیں - اور اگر کوئی بھی تجھکو مقدّس کہکر نہ پکارے جب بھی تیرے مقدّس ہونے میں کوئی کمی نہیں - ہم تیرے عاجز بندے تیرا مقدّس نام لینے کو مسجدیں بناتے ہیں - تیرا نام پاک اُن ہی میں لیتے ہیں - اُسکے محرابوں میں کھڑے ہو کر تجھ مقدّس کو مقدّس کہکر پکارتے ہیں - وہ عمارتیں کچھ ہمارے گھر نہیں ہیں - اور نہ تو کسی کا محتاج ہے - مگر خاص تیرا نام لینے سے وہ عمارتیں تیرا گھر کہلاتی ہیں - ہم خود جانتے ہیں کہ وہ اینٹ و پتھر جو اُن عمارتوں میں لگتا ہے کچھ مقدس نہیں ہے - اور عمارتوں کی خوبصورتی اور عالیشانی کچھ مقدس نہیں ہے بلکہ تیرا نام مقدس ہے - تیرے نام سے تیرا گھر مقدس گنا جاتا ہے - پھر جیسے کہ تو تمام جہان کا مالک ہے اپنے اُس گھر کا بھی مالک ہے خواہ تو اُسکو آباد رکھ خواہ تو اُسکو ویران رکھ - اور تیرا نام ویسا ہی مقدس ہے جیسا کہ ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا +

اے خدا اکبرآباد کی یہ جامع مسجد تیرا مقدس نام لینے کے لیئے بنائی گئی تھی - اُسکے پتھر جن سے یہ بنی ہے کچھ بھی مقدّس ہونے کے لائق نہ تھے - مگر تیرے مقدس نام نے جو اُس میں لیا جاتا تھا اُس کو مقدس ٹھیرایا تھا - ہم تیرے گنہگار بندے جو سر سے پاؤں تک گناہوں کی نجاست میں آلودہ ہیں تیرا مقدس نام لینے کے لائق نہیں ہیں - تیرا فضل اور تیرا احسان ہے جو ہماری ناپاک زبان سے اپنا مقدس نام لیوا تا ہے - یہ بات بہت ظاہر ہے کہ اینٹ اور پتھر جس سے تیرا مقدس نام لینے کو تیرا گھر بنایا گیا ہے کسی گنہ سے گنہگار ہونے کے لائق نہ تھا - ہماری شامت اعمال اور ہمارے دل کی بُرائیوں کی سرایت نے

ہمکو ایسا ناپاک کر دیا تھا کہ خود ہمارے جسم اس لائق نہ رہے تھے کہ تیرے مقدس نام کے گھر میں بھی داخل ہوں۔ اے خدا تو نے ہمارے گناہوں پر نظر نہیں کی۔ اے خدا تو نے اپنی رحمت ہم گنہگار بندوں پر کی۔ اے مقدس تو نے ہمارے ناپاک جسموں کو اپنے رحم سے قبول کیا۔ اے خدا تو نے اپنے فضل سے ہمارے حاکموں کے دل میں ڈالا کہ پھر تیرے اس گھر میں تیرا نام لیں۔ تیرے نام کی ستائش کریں۔ تجھ قدوس کو مقدس کہکر پکاریں۔ پس ہم تیرے بندے تیرا شکر بجالاتے ہیں۔ اور اُن حاکموں کو جنھوں نے تیرے مقدس نام کا ادب کیا۔ دل سے دعا خیر دیتے ہیں۔ اے پاک پروردگار تو ہمارے اس ناچیز شکر کو اور ہماری اس دعا کو اپنے فضل سے قبول کر۔ اور جیسے کہ تو مقدس ہے ہمارے بدن اور ہمارے دل اور ہماری جان اور ہماری روح کو اپنے لیئے مقدس کر اور گناہوں سے بچا۔ اور اپنی خاص مرضی پر چلا۔ اور اپنے گھر کو اپنے مقدس نام سے آباد رکھ۔ آمین +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے خدا اے خدا بے شک خدا تو ہی ہے تیرے سوا کوئی نہیں۔ اے خدا اے خدا بے شک تو ہی ازلی ہے اور تو ہی ابدی ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں تو ہی ہمارا خالق ہے اور تو ہی ہمارا مالک۔ تُو ہی ہمارا معبود ہے اور تو ہی ہمارا مسجود۔ تُو ہی ہماری دعا ہے اور تو ہی ہمارا مدعو۔ تُو ہی ہمارا مقصد ہے اور تو ہی ہمارا مقصود۔ الٰہی ہم تجھ کو چاہتے ہیں اور تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ الٰہی ہم تجھ ہی کو مانگتے اور تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔ اے میرے پیارے اللہ ہمارا دل ہماری جان ہماری روح تیری ہے اور تیرے ہی لیئے ہے۔ اے قادر مطلق خدا یہ تمام قوٰے جو ہم میں ہیں تجھ ہی سے ہیں اور تیرے ہی لیئے ہیں پس اپنی چیز کو اپنی مرضی کے تابع رکھ +

الٰہی ہم اپنے گناہوں سے اقرار کرتے ہیں ہماری شامت اعمال نے ہمکو گناہوں کے کالے دریا میں ڈبو دیا ہے۔ الٰہی ہم نے تیری تقصیر کی ہے اور تیری امانت میں خیانت کی ہے۔ جو چیزیں تو نے ہمکو جن کاموں کے لیئے دی تھیں اُن سے ہم نے وہ کام نہیں لیا۔ الٰہی ہمارے نفس امّارہ نے ہمکو بہکایا اور گناہ میں ڈالا۔ الٰہی ہم نے تیری نافرمانی کی اور تجھ سے یکتا خدا کی حکم عدولی کی۔ ہم بال بال گنہگار ہیں۔ گناہوں کے کالے دریا میں غرق ہیں۔ مگر تیرے سہارے کی اُمید ہے۔ پس اے ہمارے غفور الرحیم خدا

ہماری دستگیری کر اور ہمکو گناہوں سے نکال اور آب رحمت سے ہمارے گناہوں کو دھو اور ہمارے دل کو برف سے زیادہ سفید اور اپنی ذات کے نور سے سورج سے بھی زیادہ چمکیلا کر۔

اے خدا تو بے شک بے نیاز ہے تیری بے نیازی ہمکو تسلیم ہے مگر کیا تو ہم سے بھی بے نیاز ہے۔

(گیرم کہ غمت نیست غم ما ہم نیست)

نہیں نہیں حاشا و کلا تو ہمارے ماں باپ سے بھی زیادہ ہمارا غمخوار ہے۔ جیسے کہ ہم تجھ سے بے نیاز نہیں ہیں ویسا ہی تو بھی ہم سے بے نیاز نہیں ہے۔ اے خدا اے خدا ہمارا اور تیرا یہ رشتہ کہ تو ہمارا خدا ہے اور ہم تیرے بندے اور تو ہمارا خالق ہے اور ہم تیری مخلوق کبھی ٹوٹ نہیں سکتا اے ہمارے عظیم الشان خدا اگر تجھ کو خدائے ذوالجلال وحدہٗ لاشریک ہونیکی عزت وجلال ہے تو ہمکو بھی تیرے بندے ہونے پر بہت ہی کچھ فخر ہے۔ پس اپنے جلال کو دیکھ اور اپنے بندوں کی دستگیری کر۔

الٰہی ہمارا دل اور ہماری جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و رحمۃ اللعالمین پر فدا ہو جس کو تو نے ہماری ہدایت کے لیے بھیجا اور جن کی ہدایت سے ہم نے تجھ کو جانا۔ پس تجھ سے ہم نے رسول اللہ کو پایا اور محمد رسول اللہ سے تجھ کو۔

محمد از تو میخواہم خدا را
خدایا از تو خواہم مصطفیٰ را

پس اے خدا تو ہمیشہ ہمکو اُن کی راہ پر رکھ اور اُن پر اور اُن کی آل و اصحاب پر اپنی رحمت نازل کر۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اے مسلمانوں۔ جان لو کہ ہمارا دین اسلام بالکل سچائی اور بالکل نیکی ہے۔ ہمدردی اور محسن کی احسانمندی اور عام خلائق کی خیرخواہی ٹھیک رکن اسلام کا ہے۔ جس طرح ہمکو اپنے خدائے پاک کا شکر کرنا ہے۔ اُسی طرح ہمکو اُس انسان کا بھی شکر کرنا ہے جس کا احسان ہمپر ہے۔ بادشاہ عادل کا احسان اپنی رعیت پر جسقدر کہ ہوتا ہے۔ اتنا احسان کسی انسان کا کسی انسان پر نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارا سچا مذہب اور ہمارا روشن ایمان ہمکو یہ تعلیم کرتا ہے کہ ہم دل سے بادشاہ عادل کے شکر گزار ہوں۔ نوشیرواں جو ایک آتش پرست بادشاہ تھا

مگر عادل۔ اُس کے عہد میں ہونے سے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی خوشی و خوشنودی ظاہر فرمائی ہے۔ پس بادشاہ عادل کا کسی رعیت پر مستولی ہونا درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے اور بلاشبہ تمام رعیت اُس عادل بادشاہ کی احسانمند ہے پس ہم رعایائے ہندوستان پر جو ملکہ معظمہ وکٹوریا دام سلطنتہا ملکہ ہند و انگلینڈ کی رعیت ہیں اور جو ہم پر عدل و انصاف بغیر قومی یا مذہبی طرفداری کے حکومت کرتی ہے۔ سراپا احسانمند ہیں اور ہم پر ہمارے پاک اور روشن مذہب کی تعلیم سے ہمکو اُس احسانمندی کا ماننا اور اُس کا شکر بجا لانا واجب ہے۔ رعایا کی بادشاہ عادل کے ساتھ ہمدردی یا احسانمندی صرف اُس کے رنج و راحت میں شریک ہونا ہے۔ شکر خدا کا کہ رنج کے دن گئے اور خوشی میں شریک ہونے کے دن آئے یعنی ہماری ملکہ معظمہ کے فرزند ارجمند ولیعہد ہند و انگلینڈ ہز رائل ہائنس پرنس **اوف ویلز** جو نہایت بیمار ہو گئے تھے اُنھوں نے صحت پائی اور خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو شفاء کامل عطا فرمائی جسکا شکرانہ بدرگاہ شافی حقیقی ادا کرنے کو آج کا دن مُقرر ہوا ہے۔ پس ہم خدا تعالےٰ کی اس رحمت عظمیٰ کا دل سے شکر ادا کرتے ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ تمام بلاؤں کے ٹالنے والا۔ اور بیماری سے بیماروں کا شفا دینے والا صرف وُہی ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم خدا تعالےٰ کی تمام نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وقد قال اللہ تبارک وتعالےٰ۔ انما یؤمن بآیٰتنا الذین

اذا ذکّروا بہا خروا سجداً وسبّحوا بحمد ربہم وہم

لا یستکبرون ٭

۲

یہ تحریر سید نے مجلس مذاکرہ علمیہ کلکتہ میں آنریبل مولوی عبداللطیف خان بہادر کے مکان پر ۶- اکتوبر ۱۸۶۳ء کو پڑھی تھی +

حضراتِ من !

پیش ازاں کہ آہنگ حرف مدعا سرائی سازکنم ایزد بے ہمتا را ستائش می نمایم کہ بختم را یاوری وطالعم را بختیاری داد تا دریں مملکت بنگالہ گذر کردم و دریں دارالامارۃ کلکتہ کہ آں را دارالسلطنتِ ہند توانم گفت وارسیدم۔ نازش من نہ بران است کہ شہر آبادان و وسیع الفضائے کلکتہ را دیدم و از عمارت منیف و اشیاء لطیف آں مسرتے اندوختم بل نازش من بران است کہ بخدمت اربابِ فضل و کمال و بزرگانِ والاتبار و فضلائے بے شل و مثال و عظمائے صاحب وقار ایں جا مشرف گشتہ ام و سعادت ملازمت شما بزرگان کہ باعث افتخار بنی نوع انسان است تید حاصل ساختہ ام +

حضراتِ من ! آنچہ مسافر نوازی و غریب پروری از طرف شما بزرگان و بیما از جانب گلِ سر سید ایں گلستان بل باعث افتخار ما ہم کیشان (یعنی جناب آنریبل مولوی محمد عبداللطیف خان بہادر) بحال ایں ہیچ میرز غریب الوطن کہ لیاقت کفش برداری ہمچو بزرگان والامنش ہم ندارد مرعی گشتہ است ادائے شکر آں از من ناتواں نیاید۔ اگر ہمہ تن زباں شوم نے نے اگر ہر سر موئے من زباں گردد و از ہر یکے داستانہا سرایم از عہدۂ آں برآمدن نتوانم۔ اینحال کہ اینک موجود است و ایں دم آں را بچشم مے بینیم نمونہ ایست از اخلاق عمیم شما و انموذ جیست از مسافر نوازیٔ شما کہ ہیچمنے افسردہ دلے ادنے ترین مخلوقے را در انجمن خود کہ مہبط قدوسیاں انجمن قدس تواند بود بار دادہ اید و ہم اجازت فرمودہ اید کہ آہ سردے برکشم و دانہ اشکے بریزم و درد دلے باز گویم +

حضراتِ من۔ شما نیکو میدانید کہ من کم مایہ و بے بضاعت لیاقت آں ندارم کہ روبروئے ہمچو بزرگان عالی مقام زباں بہ تکلم کشایم۔ زبانے کہ بجسارت روبروئے شما کشادہ گردد بستہ باد و دلے کہ بمخالفتِ شما برانگیختہ شود شکستہ باد۔ زباں کشادن بہ بیان درد دل خویش بحضور حضرت شما نیست بجز آنکہ کرم ہائے شما مارا دلیر ساختہ کہ اینک بخدمت شما بپا ایستادہ ام و درد دل خود را گفتن می خواہم و خود گلہ از خود سردن آرزو دارم۔ چیست گلہ و چیست درد۔ حبِ وطن است و حبِ وطن است و بس +

حضراتِ من ! اگر بہ غور نگریستہ آید تواں یافت کہ ہرچہ از مکمن خفا بہ جلوہ گاہ عیان ظہور

ساختہ آں ہمہ حقیقت واحدہ است کہ بصورت ہائے رنگارنگ و نقش ہائے بوقلموں بصفحہ خیال ہا صورت بستہ و در حقیقت نقش من و تو درمیان نیست۔

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

اگرچہ تغایر اعتباری پردۂ خفا بریں راز آشکارا می اندازد۔ مگر کسے کہ چشم بصیرتش واکشادہ اند ایں تغایر اعتباری را اعتبارے نمی نہد۔ و ازیں حجاب تنک بے تار و پود پردہ ظلمانی بریں حقیقت نورانی نمی افگند۔ حاشا ثم حاشا رہ روے طریق حقیقت موج را از لجہ جدا نداند و شعاع را از نور متغایر نہ انگارد۔ ازایں رہ بر آشکار است کہ تا ہمہ ہرچہ بوجود آمدہ ایم شخص واحدیم و تغایر اعتباری بیش از سرابے نیست۔ پس اگر چشم براں اعتبارہا اندازیم احول ایم کہ حقیقت واحدہ را دو مے بینیم۔ اینک غور کردنی است۔ چوں ما دریں کاخ فیروزہ رنگ آمدہ ایم و خود صورت خود را دریں کاخ آئینہ بند بہر رنگے مے بینیم چگونہ باآں ہمہ تمثال ہا بسازیم و چساں باآں ہمہ تشخصات اعتباری بسر بریم نیست راہے دیگر بجز آنکہ تغایر اعتباری را از میاں براندازیم و آنچہ باخود کردن میخواہیم باہمہ آں کنیم۔ برخیز و آئینہ بدست خویش گیر و صورت خود را بہ بیں و بنگر کہ آنچہ باخود مے کنی ہماں باں تمثال خیالی مے کنی و آنچہ باں تمثال میکنی در نفس الامر باخود مے کنی۔ چوں ایں مقدمہ مسلم گشت ما لازم شد کہ چنانکہ ما در رفاہ و فلاح خویشتن سعی مے کنیم۔ ہمیں ساں ما را در سود و بہبود جمیع موجودات عالم سعی کردنیست چہ آں ہمہ در حقیقت نسبت بحقیقت واحدہ است کہ من ہم ازاں۔ نے نے۔ عین آں حقیقت ایم۔ و اگر چنیں نکنیم۔ مثال ما ہمیں خواہد بود کہ یک چشم را نگاہ مے داریم و دیگرے را بمیل کشیدن مے دہیم۔ و دست در بغل مے نہیم۔ و پا را بہ بریدن مے سپریم۔ و اے صد وائے برکسیکہ چنیں بکند اگر از ہوا خواہی و فلاح جوئی تمام موجودات عالم حرفے بر زنم سخن بہ درازی مے کشد و ازاں دائرہ کہ ما درانیم پا بیروں مے افتد پس ازاں درگذشتہ حرفے چند از فلاح جوئی بنی نوع خود مے سرایم ؛

ہویدا است کہ فلاح جوئی کسے از مقتضیات محبت اوست چہ اگر کسے محبت ندارم سر رفاہ و فلاح او ہم ندارم پس اصل اصول فلاح جوئی کسے محبت اوست۔ ازیں رو ناگزیر است کہ مختصرے از اقسام محبت برشمارم و براں اساس ہوا خواہی ہم کیشان خود برنہم ؛

محبت را درجات بے شمار است۔ اعلیٰ و افضل آں است کہ تمام موجودات عالم را عین حقیقت خود دانیم۔ اگر بینیم کہ کسے برگ کاہے بجفا شکستہ است دل ہمیں ساں بدرد درآید کہ

گویا ناخنے از ناخن ہائے دست و پائے من بر شکستہ این مرتبہ حاصل نمیشود مگر کسے را کہ خداوند عالم در رحمت بر وکشادہ باشد ۔

دوئمیں درجہ محبت آنست کہ جمیع ذی روح را کہ مشارکت بسیار و مشابہت بے شمار با ما دارند دوست دارم و ہر کہ جگر تر دارد و با و نیکی کنم۔ این درجہ اگرچہ از درجہ اوّل فراواں پایہ فروتر افتادہ است الا بجائے خود آں قدر بلند پایہ است کہ دست کوتاہ ما بشاخ پُربار آں نمی تواند رسید۔

سوئمیں درجہ محبت آں است کہ با بنی نوع خود بکار بریم۔ چنانکہ سعدی علیہ الرحمۃ مے فرماید۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند کہ از آفرینش زیک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

اگرچہ این مرتبہ کمترین درجہ محبت است الا بہ نظر این کہ انسان را ضعیف البنیان آفریدہ اند ہمیں درجہ را نسبت بآں درجہ اسفلے قرار دادہ اند ۔

ازیں مرتبہ ہم در مرتبہ کم دیگر درجہ محبت است کہ آں را مجازاً حب قومی نام نہیم و سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ دل و جانم فرش راہ و سرم خاک پائے آں عرش بارگاہ باد۔ تاکیدے بداں فرمودہ حیث قال علیہ الصلوٰۃ والسلام والنصح لکل مسلم علماء محققین ما رضوان اللہ علیہم اجمعین از لفظ نصح ہرگونہ رفاہ و فلاح برادران دینی مراد گرفتہ اند پس ما بسعی رفاہ و فلاح برادران دینی ماموریم و بہ ترک آں بہ معصیتے گرفتار شویم۔ اگر این مدعا را بہ رہبر عقلی جوئیم گوئیم کہ این درجہ محبت را کہ ما آں را بہ حب قومی نامیدہ ام در حیوانات ہم مے یابم نمے بینی کہ اگر زاغے را بدرد آریم دیگر ہمجنسان او بدرد مے آیند و بآہ و نالہ ما را مے گویند کہ اگر ہم کیشان و ہم کشوران خود را بدردے مبتلا مے بینیم و بدرد نیاییم و چارہ کار نیندیشیم از زاغ ہم بدتریم۔ ازیں جملہ رہبرہا آشکار است کہ ما را بجہت صلاح و فلاح ہم کیشان و ہم کشوران خود کمر سعی چست بستن و در پے سود و بہبود آناں افتادن واجب و لازم است ظاہر است کہ برادران دینی ما ہنوز در گراں خواب غفلت اند و ہرچہ گوئیم و ہرچہ کنیم از آں گراں خواب بیدار نمے شوند۔ لیکن ما را بداں سبب کمر ہمت سست کردن نشاید۔

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم

حقوق شاں کہ بذمہ ما یان است آں را ادا کردن شاید ۔

شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال

گفتہ اثرے دارد چہ عجب کہ رفتہ رفتہ ہوشیار شوند و خود را دریابند ۔

حضرات من! معاف فرمائید نغمہ بے آہنگ سرودم و سخن بے محل گفتم۔ حضرات را

می‌بینم که همه تن در صلاح و فلاح هم‌کیشان و هم‌کشوران خود سرگرم هستند. پس این ثنا‌خوانی
و هرزه درائی من روبروی همچو بزرگان سراسر بیجا و سرتاپای محل بود. مگرچه کنم شوق و ولولهٔ محبت
که با هم‌کشوران خود دارم محل و بی‌محل مارا از سرودن اینچنین نغمه‌ها باز نمی‌دارد. ای بزرگان کلکته
نیکو میدانید که همه خانواده‌های قدیم هم‌کیشان ما برهم خورده اند و شهرهای قدیم کشور ما که علم و ادب
و دانش و فرهنگ را بآن نازش بود از پا برافتاده اند در دارالسلطنه‌های باستانی هیچ چیزی باقی
نیست. مگر استخوان‌های چند بوسیده و چند خشت‌های کهنه دیوارهای غلطیده. پس در تمام
مملکت هند از خلیج بنگاله تا رود سنده صرف همین شما بزرگانید که دارالامارهٔ عهد ما را بذات ستوده صفات شما
نازش است و بس. آری اگر شما هم در صلاح و فلاح هم‌کیشان و هم‌کشوران خود سعی نه نمائید باز
کدام کس پرسان حال ما بخت‌برگشتگان خواهد بود. خداوند عالم شما را سرسبز و شاداب داراد و
توفیق حب وطنی روزافزون نصیب کناد۔

مگر عرض دیگر قابل گذاردنی است و آن این که در جزو زمان هم‌کیشان و هم‌کشوران ما و شما
از حلیهٔ تربیت عاری شده اند و روز بروز عاری می‌شوند. پس درین زمانه مدار صلاح و فلاح
هم‌کشوران ما درانست که بهر طوری که تواند شد در ترقی تعلیم و تربیت شان سعی‌ها نمایم و آنچه
موانع و عوایق در تربیت هم‌کیشان بوده اند در برداشتن آن همه سعی و کوشش‌ها کنیم
مردمان این زمانه که تربیت هم‌کیشان ما را که بنظر حقارت می‌بینند. باعث اصلی او این است
که اکثر برادران ما آن که در علوم پاستانی ید طولی دارند در علوم و فنون جدیده که مایهٔ نازش
نوجوانان این زمانه است عاری اند پس نگریستنی است که باعث اینچنین ناواقفیت از علوم و
فنون جدیدهٔ مفیده چیست. گویم که آن همه علوم بزبان انگریزی اند و هم‌کشوران ما را تا حال
بر تحصیل آن زبان توجهی کما ینبغی نیست. دیگر باره پرسم که چرا نیست آیا تعصب مذهبی را
دران مداخلت است. گویم حاشا و کلا. کسانیکه ما را بچشم غرض بین می‌نگرند و یا از حقیقت حال
واقف نیند این گونه سخن‌های بی‌اصل سرائیده اند و در آموختن زبان هر قومی که باشد تعصب
مذهبی را چه مداخلت است. ما مسلمانان زبان فارسی را می‌خوانیم و آن زبان ما نیست و گاهی
تعصب مذهبی را بآن نسبت نکرده ایم. پس در آموختن زبان انگریزی چرا تعصب مذهبی را گنجایش
خواهد بود. اگر گویند که مسائل علوم جدیده سیما ریاضیات ظاهرا با آنچه در قرآن مجید ازان بیان شده
مخالفت دارند ازین باعث مسلمانان از خواندن او دست کشیده اند. گویم این همه غلط است مسائل حکمت
یونان که بظاهر حال با آنچه در قرآن مجید ازان ذکری رفته مناسبت دارند و همه مسلمانان بهزاران هزار
شوق در تحصیل آن سرگرمی‌ها می‌دارند و گاهی تعصب مذهبی را کار نفرموده اند. پس در خواندن و تحصیل

نمودن هیات جدیده فیثاغورس یا چرا تعصب مذهبی را بکار برده باشند۔ اصلی کار و حقیقت حال
کم توجهی برادران ما در خواندن زبان انگریزی و تحصیل علوم و فنون جدیده آن زبان این است
که کتب مذهبی ما مسلمانان که آموختن آنها در حقیقت بر ما فرض است همه در زبان مقدس عربی است
و عادت ما مسلمانان از طریقهٔ سلف ما این است که اولاً میخواهند که اولاد ما زبان عربی را بیاموزند و
بمسائل دینیه خود واقف شوند۔ بعد آن چیزے شود یا نشود۔ اے حضرات من نیکو دانید و هشیار
باشید که این طریقه بسیار محمود و بغایت نیک و نهایت پسندیده است و گاهے تا آنکه جان در قالب
شماست این طریقه را مگذارید۔ زبان عربی افضل ترین زبانهاست خداوند عالم به هیچ زبان متکلم نشده
الا بزبان عربی۔ فضائل این زبان چه از اختصار الفاظ و کثرت معانی و چه در علو درجه فصاحت و بلاغت
از همه زبانها فائق تر و شیرین تر است۔ پس اینچنین زبان را گذاشتن که در آن عمدگی و علو درجه
در دنیا و نجات ابدی در عقبی است کار خردمندان نیست۔ الا تدبیرے باید اندیشید که نوجوانان
اقوام ما که در خواندن زبان عربی مصروف اند بجهت حصول علوم و فنون جدیده هم موقعے و قابوے
یابند۔ و آن بخوبی حاصل تواند شد۔ اگر هم کشوران ما جمع شده انجمنے بیارایند و کتب علوم و فنون
جدیده را از زبان انگریزی بفارسی یا عربی ترجمه نمایند۔ و آن را مشق نونهالان اقوام ما بدهند تا بذریعه
همان زبانے که به تحصیل آن مصروف اند از علوم و فنون جدیده هم کماینبغی واقفیت سازند۔ علم و
تربیت نام صورت زبان و کام نیست بهر زبان که آن را بیاموزیم به مدعا مے رسیم +

از آنچه گفتم چنان ندانید که من روادار تساهل و تغافل در خواندن و آموختن زبان انگریزی
بوده ام۔ نے نے من آموختن زبان انگریزی را از قبیل ستهٔ ضروریه مے دانم۔ ببینید حکام ما
زبان انگریزی دارند۔ اصل احکام و قوانین انتظام مملکت بزبان انگریزی است که واقفیت از آن
ما رعایا مطیع و منقاد را از ضروریات است۔ اگر بخدمت کدام حاکم وقت میروم بسبب تخالف
لسان نیازمندیهائے خود را چنانکه در دل هست ادا کردن نمے توانم لطف و اخلاقے که
از جانب حاکم برحال ما مے شود آن را فهمیدن و دل او را بآن خوش کردن نمے توانم۔ ما را آنقدر حاجت
بانگریزی دانستن افاده است که بدون آن سرانجام امور تمدن هم خیلے مشکل است۔ گردون دخانی که
بتخت سلیمان ماناست۔ عمده وسیله تسهیل سفر بجهت ما مهیا است۔ الا بعدم واقفیت از
زبان انگریزی چها مصائب است که در آن نمی برداریم۔ اگر پیام ضروری بذریعه قوت کهربائی فرستادن
مے خواهیم۔ بدون واقفیت از زبان انگریزی در آن عاجزیم۔ از بدترین پیشه ما که نوکری است تا
به اعلے ترین پیشه ما که تجارت است ما به انگریزی دانی محتاجیم۔ من به حسد نمیگویم چونه از هم چو منے که
هوا خواه بنی نوع انسانم حسد آید۔ بلکه بطور تمثیل غبطه مے گویم که دیگر هم کشوران ما صرف بذریعه

انگریزی از ما سبقت ها برده اند و روز بروز در مسابقت می نمایند - پس هم کیشان ما را نیز واجب و ضرور است که سعی موفوره در آموختن زبان انگریزی نمایند - و چنانکه پیشتر بودند درین معرکه هم گوئے سبقت از دیگر هم کشوران خود ربایند - مگر ایں نمیخواهم که عربی را یکسر فروگذارند و از علوم دینیه و مسائل حقیقه مذهب خود جاهل و نابلد محض مانند +

ترجمه کتب علوم و فنون جدیده را بایں وجه خواهانم که اگر ترجمه نشوند تحصیل علوم و فنون جدیده مختصر بزبان انگریزی خواهد بود و بس - و از آں همان چند کساں را که دراں زبان لیاقت کلی هم رسانیده اند فایده حاصل خواهد شد و بس - تمام ولایت ما را اگر من در پے آں هستم حصول فوائد ممکن نیست - آیا شما خیال میکنید که هر چند سعی کرده آید بزبان انگریزی در ولایت وسیع هندوستان مثل زبان ملکی رائج شدن مے تواند - تا چند سال بلکه بسیار زاید از آں کسے اینچنیں خیال کردن نمے تواند - پس ابنائے جنس خود را در همیں جهالت و کوری و ذلت و خواری بحال هم گذاشت - اے سرخیلان قوم ما چندانکه در اهتمام ایں امور تاخیرے شود روز بروز مشکل دیگر برروئے کار مے آید - وآں کار از دست مے رود - وقت را از دست مدهید - و در فراهمی سامان تربیت اهل هند آماده شوید که وقت رفته و تیر از کمان جسته باز نمے آید +

سخن دیگر هم بغور شنیدنی است که در تربیت علوم و فنون جدیده بنوجوانان هم قومان ما خواه بذریعه زبان انگریزی باشد و خواه بذریعه تراجم احتمال سستی در عقاید حقه دینیه بوده است و ایں احتمال نیست بلکه بتجربه و استقرا هم همچنیں یافته ایم مگر غور فرمایند که درحقیقت باعث آں توغل در زبان انگریزی یا آموختن علوم و فنون جدیده نیست - البته از توغل بفلسفیات و غفلت از تحقیق و تدقیق اعتقادیات اینچنیں مغالطها درپیش مے آیند چنانچه در بلاد جرمنی و **فرانس** آتش ایں فتنه سر بفلک کشیده بود - و صدها و هزارها مردم نقلیات را اوهن از تار عنکبوت خیال کرده بودند - و زمانے پیشتر ازیں در دار السلطنت لندن هم ایں بلا افتاده بود - و در زمانے که حکمت حکمائے یونان درمیان ما مسلمانان شیوع یافت همیں آفت در مایان هم رسیده بود - مگر علمائے هر قوم و ملت بدفع آں کوشیدند و همه آں را بر شکسته حقیقت اعتقادیات نقلیه را بصحت رسانیدند - علمائے مذهب ما علم کلام را ایجاد کردند و باثبات رسانیدند که آنچه فلاسفه بتحقیق آں پرداخته اند از وهمیات بیش نیست - و نو در حقیقت جهل است که زبان وحی بآں ناطق شده - آرے ع

پائے استدلالیاں چوبیں بود + پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

پس من کہ خواہان ترویج زبان انگریزی و تعلیم علوم و فنون جدیدہ بشمول عربی و باشتمال تحقیقات و تدقیقات عقاید تقلیہ بودہ ام از یں قسم تربیت ایں احتمال بفرہنگ یا دور رست البتہ در تکمیل امر دیگر ما را افتادن خواہد شد۔ و آں ایں کہ قواعد حکمت یونان از شیوع حکمت جدیدہ ہمہ از پا بر افتادہ اند۔ در زمان پیشین علمائے دین ما را بہ تردید یا بہ مطابقت اصول حکمت یونانی با علم و حکمت حقیقیہ الہامی حاجت بود۔ و پس چنانچہ بتائید روح القدس دراں کامیاب شدند۔ الحال کہ اصول حکمت را بروش دیگر بنا نہادہ اند ہر چہ ازاں بظاہر مخالف الہامیات مے نماید۔ در تطبیق یا تردید آں توجہ کردن خواہد افتاد و ایں امر گو بظاہر دشوار مے نماید لیکن بتائید روح القدس دشوار نیست۔ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

بہ بینید صرف از مذہب ما بظاہر مخالف نمے نماید۔ بلکہ از مذہب تمام اہل کتاب کہ عبارت از یہود و نصاریٰ است مخالف مے نماید۔ علمائے مسیحی چہا کوشش دریں بارہ کردہ اند و رسالہا برنگاشتہ و علاج بد اعتقادی ہم ملتان خود کما ینبغی فرمودہ اند۔ پس علمائے مذہب ما چرا بداں طرف توجہ نخواہند فرمود +

اگر بدیں گونہ تربیت ہم کیشان شیوع گیرد۔ بیقین واثق است کہ فلاح بے شمار بحال آنہا عاید شود۔ و ترقی روز افزوں و تہذیب مہذب نصیب ایشاں گردد و از تہذیب نامہذب کہ در بعضے از ہمکشوران ما شیوع یافتہ بکلی ایمنی دست دہد۔ من خیر خواہ ہم کشوران خود روز و شب در ہمیں خیالات بسر مے کنم و عمر گران مایۂ خود را و نیز درہم و دینار را ہر چہ در کیسہ ام مے آید در ہمیں امور صرف مے کنم۔ لیکن من یک جزو ناتوانم و مثل پیرزالے بہ خریداری یوسف بر آمدہ ام۔ تنہا از من چہ شود و تا وقتیکہ ہمت قومی دراں متوجہ نشود و ہر یکے از دل و دست و زبان و درہم و دینار تائید سے ننماید انجام آں از محالات مے نماید چنانچہ بنظر انجام بعضے ازیں امور گفتہ ام تدبیرے اندیشیدہ ام و رسالہ دراں باب چاپ نمودہ پیشکش حضرت صدر ایں انجمن نمودہ ام۔ بدیں امید کہ اگر مناسب نماید بخدمت جمیع بزرگان کہ در محفل خلد مشاکل فراہم آمدہ اند۔ نذر نمایند۔ شاید خداوند کریم وسیلہ برانگیزد۔ کہ تصورات من زینب تصدیق یابد۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ہو نعم المولیٰ و نعم النصیر

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین +

۳

۱۸۶۴ء میں جب سید غازی پور میں صدر الصدور تھے ایک کالج قائم کرنے کی تدبیر کی تھی۔ جب اس مدرسہ کی جو اب وکٹوریہ سکول کے نام سے وہاں جاری ہے بنیاد رکھی گئی تو یہ لکچر دیا +

اے صاحبو اور اے ضلع غازی پور کے رئیسو اور اے میرے پیارے ہموطنوں!

آج کا دن وہ مبارک دن ہے کہ جس قدر اس دن کی مبارکبادی تمکو دیجاوے وہ تھوڑی ہے کیسے ہی لفظوں سے وہ مبارکبادی ادا کی جاوے۔ مگر جیسا کہ اُس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ ویسی ادا نہیں ہو سکتی۔ غور کرو کہ آج تم کس مبارک کام کے لیئے جمع ہوئے ہو۔ وہ کیا مبارک کام کیا ہے؟ بنیاد ڈالنا ہے علم کی روشنی کا اپنے ہموطنوں میں اور دور کرنا ہے جہالت کی تاریکی کا اپنے ملک اور اپنے بھائی بندوں سے۔ یہ کام جس کے لئے تم جمع ہوئے ہو صرف تمہارے ہی لیئے یا تمہارے زمانہ کے لوگوں کے لیئے ہی فائدہ بخش نہیں ہے بلکہ تم ایسی چیز کی بنیاد ڈالتے ہو جو آیندہ نسلوں کے لئے اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بندوں کی اولاد اور تمہارے ہموطنوں کی اولاد کے لیئے ہمیشہ نہایت فائدہ بخش ہے۔ پس تمکو اس مبارک کام کی جتنی مبارکبادی دیجاوے وہ تھوڑی ہے۔ زیادہ تر خوشی اور مبارکبادی اس بات کی تمکو دینی ہے کہ اس نیک کام کی تحریک بغیر کسی دوسرے محرک کے خود تمہارے دل میں اُٹھی ہے۔ اور خود تم نے اپنے دل کی خواہش سے اور بغیر کسی کی مدد کے آپس کے چندہ سے اس کام کو انجام دینا چاہا ہے۔ یہ تمہاری مجلس جس میں اکثر بلکہ تمام رئیس موجود ہیں ایک برادرانہ مجلس ہے اور تمہاری خواہش سے تمہارے ضلع کے انگریز حکام بھی تمہاری اس برادرانہ مجلس میں نہ بطور حاکم بلکہ برادرانہ ارتباط سے جمع ہوئے ہیں پس جبکہ تمہارے حاکم تمہاری برادرانہ مجلس میں برادرانہ طور پر جمع ہوئے ہوں ایسے ارتباط کی خوشی اور ایسے اختلاط کا فخر جسقدر کہ ہے مجھکو بیان کرنا کچھ ضرور نہیں ہے۔ کیونکہ خود تمہارے دلوں پر اسکا اثر اس وقت موجود ہے۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ ایسے مبارک دن بہت سے تمکو نصیب ہوں۔ مگر میں خیال کرتا ہوں شاید ضلع غازی پور میں یہ پہلا دن ہے جس میں تمام رئیس اپنے ہموطنوں کی بہتری کے لیئے جمع ہوئے ہیں اور جس میں اُن کے حکام برادرانہ ارتباط سے بیٹھے ہیں۔ پس یہ دوسری مبارکبادی ہے جو میں تمکو دیتا ہوں +

اے انگلش صاحبو اگرچہ تم اُس قوم کے لوگ ہو جو دنیا میں انسان کی بھلائی چاہنے والی مشہور ہے۔ بغیر کسی تعصب کے اور بغیر لحاظ کسی قوم اور مذہب کے انسان کی بھلائی چاہنا تمہارا ذاتی جوہر ہے۔ لیکن آج کے دن میں تمکو جو اس جلسہ میں تشریف رکھتے ہو بتخصیص مبارکباد دیتا ہوں کہ تم اس مشہور قوم انسان کی بھلائی چاہنے والی کا آج کے دن نمونہ بنے ہو۔ ہم ہندوستان کے رہنے والے جو ایک دور دراز انگلستان کے رہنے والوں کو سنا کرتے تھے کہ انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگ ہیں سو آج کے دن ہم نے تم صاحبوں کو اُس کا مصداق پایا۔ باوجودیکہ تم ہمارے ملک کے حاکم ہو۔ اور تمہارا ادب کرنا ہمارا عین فخر ہے اور آج کے دن جو تم اپنی رعیت کی مجلس میں برادرانہ محبت سے شامل ہوئے ہو بلاشبہ اُس کا فخر ہمکو ہے۔ مگر جب حاکم اور رعیت میں حکومت اور رعیتی سلسلہ کو علیحدہ کر کے برادرانہ اتحاد بھی ہو تو حاکم کو بھی اُس سے زیادہ کوئی مبارکبادی نہیں ہے۔ آج کے دن یہ دونوں باتیں تم میں جمع ہیں۔ پس اس کی مبارکبادی جس قدر کہ مَیں تمکو دوں وہ تھوڑی ہے۔

اے ہندوستانی صاحبو مجھ کو اس بات کا بیان کرنا کہ اس مدرسہ کا قایم کرنا کس طرح پر شروع ہوا۔ اور کون لوگ اس کے محرک ہوئے محض فضول ہے۔ کیونکہ تم لوگ خود جانتے ہو کہ تم خود ہی اس مدرسہ کے قایم کرنے کے محرک ہو۔ گورنمنٹ کو غالباً ابتک تمہارے اُس ارادہ کی اطلاع بھی نہیں ہوئی ہوگی کسی حاکم کے دل میں جو گورنمنٹ کی طرف سے تمہارے ضلع میں مقرر ہیں اس مدرسہ کے قایم ہونے کا خیال بھی نہ تھا۔ خود تم ہی اس کے موجد ہوئے ہو اور خود تم ہی نے آپس میں چندہ جمع کر کے اس مدرسہ کے خرچ کے لیئے روپیہ جمع کرنا چاہا ہے۔ بے شک چند روز سے تم لوگوں کو اس بات کا خیال تھا کہ اس ضلع میں کوئی عمدہ وسیلہ تربیت کا قایم کیا جاوے۔ چند روز ہوئے کہ بعض رئیسوں اور اہلکاران سرکار نے ماہوار چندہ مقرر کر کر ایک ماسٹر انگریزی پڑھانے کو اور ایک مولوی عربی پڑھانے کو نوکر رکھا تھا۔ تم ہی لوگوں نے ایک ایڈریس لکھی اس مطلب سے کہ ایک پنڈت سنسکرت پڑھانے کو اسی طرح ماہواری چندہ کر کر نوکر رکھا جاوے مگر اُس کے ہونے کی نوبت نہیں پہنچی انگریزی ماسٹر اور عربی پڑھانے والا مولوی جو ماہواری چندہ سے نوکر ہوا تھا وہ قایم نہ رہ سکا۔ کیونکہ ماہواری چندہ کا وصول کرنا اور اُس کارخانہ کا جاری رہنا جو ماہواری چندہ پر منحصر ہے نہایت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے اُس وقت تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ تمام ضلع سے یکمشت چندہ جمع کر کر اُس کے منافع سے ایسا مدرسہ قائم کیا جاوے جسمیں عمدہ

درجہ کی تعلیم انگریزی اور سنسکرت اور عربی اور فارسی اور اُردو کی ہو۔ اس ارادہ پر اکثر رئیس ضلع کے جو اس مجمع میں بھی اس وقت موجود ہیں جمع ہو کر میرے پاس آئے اور مجھ سے یہ بات چاہی کہ اس امر عظیم کے انجام دینے کا میں بھی شریک ہوں اور اُن کو تدبیر بتاؤں کہ جو چندہ وہ جمع کریں۔ اُس سے کس طرح پر منافع حاصل کیا جاوے اور طریقہ تعلیم اور قواعد انتظام مدرسہ کس طرح پر مقرر کیئے جائیں۔ تم لوگ خوب جانتے ہو کہ میں نے اپنے شمول سے صاف انکار کیا۔ مگر تم نے مکرر اور سہ کرر اصرار کیا اور یہ بات معلوم ہوئی کہ بغیر اسکے لوگوں کو اس بات سے طمانیت ہو کہ انتظام مدرسہ کا اور حفاظت زر چندہ کی ایک شایستہ قواعد پر نہ ہو اُس وقت تک لوگ اس نیک کام پر جس کا ولولہ اُن کے دل میں جوش مار رہا تھا۔ مبادرت نہ کریں گے۔ میرا انکار صرف اس وجہ سے تھا کہ میں اس ضلع میں ایک سرکاری عہدہ بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ مجھ کو اندیشہ تھا کہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ایک اہلکار سرکار نے اپنے عہدہ کے کسی علاقہ سے اس میں مداخلت کی ہے۔ لیکن جب بہت لوگوں نے اس ضلع کے مجھ سے درخواست کی اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ اکثر لوگ خود اپنے دلی ارادہ سے اس کام پر مستعد ہیں۔ اُس وقت میں نے قبول کیا۔ میں نے خیال کیا کہ میں بھی ایک شخص ہندوستان کا باشندہ ہوں میرا فرض ہے کہ علیحدہ ہو کر سرکاری عہدہ سے اپنے ہموطنوں کی بھلائی اور بہتری میں سعی کروں۔ میں نے خیال کیا کہ اب بھی اگر میں تم لوگوں کی درخواست کو منظور نہ کروں۔ تو تمام ضلع کی جہالت کا مظلمہ میری گردن پر رہتا ہے۔ پس تم خوب جانتے ہو کہ میں اس جلسہ میں کسی سرکاری عہدہ کے سبب نہیں کھڑا ہوں۔ بلکہ اس لیئے کھڑا ہوں کہ میں بھی تمہارا ایک ہم وطن ہوں۔ اور تمہی لوگوں میں سے ایک شخص بلکہ ایک ادنےٰ ہوں +

اسے ہندوستانی صاحبو تمہارا خیال جو اس ضلع میں مدرسہ جاری کرنیکا ہوا ہے درحقیقت ایک نہایت عمدہ اور قابل نہایت تعریف کے خیال ہے۔ مجھ کو اُمید ہے کہ تم اَور ضلعوں کے لیئے ایک روشنی ہو گے۔ اور اَور ضلعوں کے لوگ بھی تمہارے دیکھا دیکھی ایک ایک مدرسہ اپنے اپنے ضلع میں قائم کرینگے۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ تم اس بات سے بخوبی واقف ہو کہ ہندوستانیوں کے لیئے علم میں ترقی کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ تمکو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری **ملکہ معظمہ وکٹوریا** دام سلطنتہا نے علانیہ فرمایا ہے۔ کہ میری ہندوستانی اور ولایتی رعایا دونوں برابر ہیں اور یہ صرف کہنا ہی نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے کو موجود بھی ہے تم میں سے کوئی کلکتہ گیا ہوگا اُس نے دیکھا ہوگا کہ **بابو چندر و ناتھ** تمہارا ہندوستانی ہم وطن **ہائیکورٹ** کا جج ہے۔ وُہی اختیار اور اقتدار جو انگریزی ججوں کو ہیں اُسکو بھی

عمال ہیں۔ جو انگریزی جج تنخواہ پاتے ہیں وُہی تنخواہ وہ بھی پاتا ہے۔ تم نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ تمہارے ہموطن ہندوستانی لیجس لیٹف کونسل میں بطور حاکم کے بیٹھے اور تمام ہندوستان کے لیئے قانون بنانے میں بلا کسی خوف و رجا۔ بلا رعایت و مروت کے اپنی رائے دے ٭

اے میرے ہموطنوں مَیں خیال کرتا ہوں کہ پارلیمنٹ کی یہ آواز کہ ہندوستان کی لیجس لیٹف کونسل میں ہندوستانیوں کو بھی شریک ہونا چاہیئے جیسی مجھے خوش آیند معلوم ہوئی شاید اَور کسی کو ایسی نہ معلوم ہوئی ہوگی۔ مگر اُس کے ساتھ ہی مجھ کو جیسا رنج تھا ویسا شاید کسی کو نہ ہوگا۔ اور وہ رنج صرف یہ تھا کہ میرے ہندوستانی ہموطنوں کی تربیت سے جتنی اُن کی تھی۔ مجھ کو اندیشہ تھا کہ شاید یہ بڑا کام اُن سے انجام نہ ہو سکے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہموطنوں نے اس خوبی سے انجام دیا۔ جس سے ہماری عزت اور ہندوستان کا نام روشن ہوا ٭

مگر تم دیکھ لو کہ ہندوستانیوں کو علوم و فنون میں اَور زیادہ ترقی کرنی درکار ہے۔ چند ہندوستانیوں کا لیجس لیٹف کونسل میں داخل ہونا ہندوستانیوں کی ترقی کا شروع ہے۔ تم میری اس پیشین گوئی کو یاد رکھو۔ کہ وہ دن کچھ دور نہیں ہے کہ ہر ضلع میں سے ایک شخص کا کونسل میں داخل ہونا ضرور ہوگا۔ وہ دن آوے گا کہ تم خود ہی قانون بناؤ گے اور خود ہی اُس پر عمل کرو گے۔ پس غور کرو کہ تم لوگوں کو کس قدر جلد تربیت میں ترقی کرنا ضرور ہے اس معاملہ میں مجھ سے ایک بڑے معزز حاکم سے گفتگو ہوئی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو تو ہماری کمال خوشی ہے۔ مگر تم بتاؤ کہ ہر ایک ضلع میں سے ایسے لائق آدمی کیونکر مل سکتے ہیں جو کونسل میں داخل ہوں اگر ہوں تو ہم ابھی داخل کرنے کو موجود ہیں۔ یہ جواب سنکر بجز شرمندہ ہونے کے میرا اَور کیا جواب ہو سکتا تھا۔ غرض تم بخوبی جان لو کہ ہماری ملکہ معظمہ وکٹوریا دام سلطنتہا نے بلا لحاظ قوم و مذہب اور بغیر لحاظ وطن کے اپنی ساری رعایا کو برابر سمجھا ہے اور سب کے لیئے دروازہ کھول رکھا ہے۔ صرف ایک چیز چاہیئے یعنی تربیت و لیاقت پس تم دیکھ لو کہ ہندوستانیوں کو علوم و فنون و تربیت و لیاقت میں ترقی کرنے کی کس قدر ضرورت ہے ٭

مگر مجھ کو نہایت خوشی سے یہ بات کہنی چاہیئے کہ تم نے اس بات کی ضرورت جانی ہے جب اپنے روپیہ سے ایسا مدرسہ قایم کرنے پر آمادہ ہو۔ آج اس بارگاہ کے آراستہ کرنے میں جس میں یہ مبارک اجلاس ہو رہا ہے مَیں تم رئیسوں کو اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا کہ

تم کیسی خوشی اور کیسے فخر سے اپنے ہاتھ سے فرش بچھاتے تھے اور کرسیاں رکھتے تھے۔ جو کام تمہارے خدمتگار کرتے ہیں اس مبارک مجلس کے لیئے اُس کام کا کرنا تم اپنا فخر سمجھتے تھے۔ یہ تمام باتیں اس بات کی نشانیاں ہیں کہ اب ہندوستان کے اور خصوصاً اس ضلع کے بھلے دن آئے ہیں *

اے صاحبان تم خوب جانتے ہو کہ انسان کو لازم ہے کہ تمام جہان کے انسان کی بھلائی چاہے۔ اگر ہم ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھیں تو جان لینگے کہ ہم سب آپس میں بھائی اور ایک باپ کی اولاد ہیں۔ گو آفتاب کی تیزی نے کسی ملک میں ہم میں سے کسی کا رنگ کالا اور کسی ملک میں دھوپ کی نرمی نے کسی کا رنگ گورا کر دیا ہو مگر ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ پس ہم کو بلا تعصب تمام انسان کی بھلائی چاہنی چاہیئے۔ یہ مدرسہ جو قایم ہوتا ہے عموماً تمام ضلع بلکہ سب کے فایدہ کے لیئے جو اس سے نفع اُٹھایا چاہے قایم ہوتا ہے۔ اس سے اوّل قاعدہ اس میں یہ قرار پایا ہے کہ بلا لحاظ کسی قوم و مذہب کے ہر کسی کو اس مدرسہ میں علوم و فنون جو وہ سیکھے سکھائے جائینگے۔ مدرسہ میں اور علم کی مجلس میں وہی شخص عزت رکھے گا اور وہی شخص درجہ پاوے گا جو علم کے سیکھنے اور تربیت پانے میں اپنی عزت پیدا کرے گا۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جاوے گا کہ ہندوؤں کی مختلف قوموں میں ایسا اختلاط جو ذات کا خارج ہونے ہونے پاوے گا۔ پر سوائے اس کے اور کسی طرح کا تفرقہ نہ ہوگا۔ اور مدرسہ میں وہی عزت پاوے گا جو علم تحصیل کرنے میں عزت حاصل کرے گا۔ اس مدرسہ میں انگریزی۔ عربی۔ سنسکرت۔ فارسی اور اردو پڑھائی جائینگی ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ جون سی یا جون جون سی زبان چاہے تحصیل کرے۔ مگر میں تم کو جتاتا ہوں کہ اس زمانہ میں انگریزی زبان کا تحصیل کرنا نہایت ضرور ہے۔ قطع نظر عمدہ نوکریوں کے ملنے اور معزز عہدوں کے حاصل ہونے کے بغیر انگریزی جانے ہم اپنے روزمرہ کے ضروری کام بھی بخوبی نہیں کر سکتے۔ بغیر انگریزی جانے بخوبی تجارت نہیں ہو سکتی۔ حکام سے بخوبی ارتباط حاصل نہیں ہوتا۔ قوانین اور احکام سرکاری کا بخوبی منشا سمجھ میں نہیں آتا۔ ملکوں کا اور زمانے کا مطلق حال معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کبھی ریل پر جائیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سے دروازہ سے آویں اور کون سے دروازہ سے جاویں۔ پس سمجھو کہ ہم کو کس قدر انگریزی پڑھنے کی ضرورت ہے *

اصلی مقصود اس مدرسے سے عام علوم کا تعلیم کرنا ہے اور جو علوم کہ معاش سے تعلق ہیں اُن کا پڑھانا اور سکھانا اصلی بنیاد مدرسہ کی ہے۔ آمدنی مدرسہ کا اس قسم کی تعلیم میں

صرف کرنا سب سے مقدم امر ہے - مگر چونکہ یہ مدرسہ بلا کسی تعصب کے تمام لوگوں اور
ہر ایک قوم کے فائدہ کے لیئے قائم کیا جاتا ہے - اس سے اس مدرسہ میں کسی قوم کی
مذہبی کتابیں پڑھنے کا بھی امتناع نہ ہوگا - ہر ایک مذہب کی کتابیں اس مدرسہ میں جو
شخص اُن کا پڑھنا چاہے پڑھائی جاویں گی - البتہ ایسی خاص قسم کی تعلیم کے لیئے
جو خرچ درکار ہوگا بلحاظ آمدنی مدرسہ اس کے لیئے قواعد چند مقرر ہوں گے تا کہ اس خاص
تعلیم کے خرچ سے اُس عام تعلیم میں کسی قسم کا ہرج نہ پڑ سکے ؛

اس مدرسہ میں دو عہدے بہت بڑے مقرر ہوں گے - پہلا عہدہ **پیٹرن** کا
ہوگا اور دوسرا **وزیٹر** کا اور ممکن ہوگا کہ یہ دونوں عہدے ایک شخص میں جمع ہو سکیں اور
علاوہ اس کے کئی کمیٹیاں مقرر ہوں گی - اور ان تمام امور کے لیئے بہ تجویز ممبران کمیٹی
ایک قاعدہ بنایا جاوے گا - اور اُس قاعدہ کے بموجب تمام امورات مدرسہ کا انجام
ہوا کرے گا ؛

ہم لوگوں کی بڑی خوشی ہوگی اگر حکام انگریزی اور صاحب ڈائرکٹر سررشتہ انسٹرکشن
اس مدرسہ میں تشریف لایا کریں اور امتحان لیا کریں - اور خود اپنی تجویز سے سوالات امتحان
اور درجات قابلیت مقرر کریں - اور اپنے اجلاس میں اپنے ہاتھ سے انعام بانٹیں - مگر
کمیٹیاں جو انتظام مدرسہ کے لیئے مقرر ہوں گی اُس میں تمام ممبر ہندوستانی ہوں گے -
البتہ کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ کسی انگریزی صاحب کو جو ہندوستانیوں کی ترقی اور بہبودی
چاہنے میں نام آور ہو اپنے ساتھ کمیٹی میں بطور ممبر شریک کریں ؛

اے صاحبو مَیں نہایت افسوس سے تمکو اس وقت ایک بات سے اطلاع
دیتا ہوں کہ تم سب کی یہ تجویز تھی کہ اس ضلع میں ایسی بڑی عزت پانے کے لائق جو پیٹرن
مدرسہ کا کہلاوے بجز مہاراجہ مہیشر بخش سنگھ بہادر کے اَور کوئی نہیں ہے - چنانچہ
تم سب کی تجویز تھی کہ مہاراجہ صاحب ممدوح کو مدرسہ کا پیٹرن بنایا جاوے - چنانچہ اسی
غرض سے اُن کو اس مجلس میں تشریف لانے کی تکلیف دی گئی تھی اور اُنھوں نے نہایت
مضبوط وعدہ تشریف لانے کا کیا تھا - مگر اس وقت معلوم ہوا کہ وہ تشریف نہیں لاوینگے
تم صاحبوں نے جس طرح اَور رئیسوں بلکہ غریبوں سے چندہ لیا اور اکثر نے بلکہ تمام نے
بہ کمال خوشی دیا - اُن سے بھی چندہ مانگا تھا - اگرچہ وہ تعداد جس کی تم نے اُن سے
درخواست کی وہ بہت تھوڑی مقدار تھی مگر اُنھوں نے اُس تھوڑی ناچیز مقدار کو
اپنے ہموطنوں اور اپنے بھائی بندوں کے اور نسلاً بعد نسلاً نفع پہنچانے سے دریغ کیا

سمجھا اور اس مبارک مجلس میں تشریف نہیں لائے اور افسوس ہے کہ مدرسہ کی تاریخ میں ہمیشہ اس بات کی یادگاری رہے گی۔ مگر مدرسہ کے لیئے پیٹرن کا ہونا ضرور ہے۔ اس لیئے اب تم جس کو چاہو پیٹرن بناؤ (سب نے باتفاق پکارا آنریبل راجہ دیونرائن سنگھ بہادر۔ آنریبل راجہ دیونرائن سنگھ بہادر) اب تم سب یہ بھی تجویز کرو کہ تمہارے مدرسہ کے لیئے وزیر کون ہوگا (سب نے باتفاق پکارا آنریبل راجہ دیونرائن سنگھ بہادر۔ آنریبل راجہ دیونرائن سنگھ بہادر) مَیں تم صاحبوں کی اس تجویز سے نہایت خوش ہوا۔ کہ تم نے ایسے شخص کو پسند کیا ہے جو اپنی عالی ہمتی اور رحمدلی کے سبب مشہور ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو جناب لارڈ کیننگ اور جناب لارڈ ڈالگن کا معتمد دولت اور شریک مشورہ تھا ؛

اے صاحبان۔ جو کچھ کہ مقدم امور مدرسہ کے تھے مَیں کہہ چکا۔ اب اسقدر مَیں اَور کہتا ہوں۔ کہ ہم تمام ہندوستانیوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے۔ کہ ہمکو خدا تعالیٰ نے ایسی قوم کی پُرامن حکومت میں جگہ دی ہے جو ہر طرح ہماری ترقی اور بہبودی کی خواہاں ہے۔ تم نے ابھی اپنے جناب چیئرمین کی زبانی سُنا کہ اُنھوں نے یہ بات فرمائی کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان کا ملک یورپ کے ملک سے پیچھے رہ جاوے۔ بلکہ اسکا پیچھے رہنا ایک غمگین بات ہے۔ پس تم دیکھو کہ تمہاری گورنمنٹ اور اسی طرح اُس کے حکام جو تمپر متعین ہیں کس طرح تمہاری ترقی کے خواہاں ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص بجز باپ کے یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا شخص اُس کے برابر درجہ پاوے۔ مگر تمہارے حُکام ایسے ہیں کہ باپ کی طرح تم سب کو چاہتے ہیں کہ ہمارے برابر عزت وقدر ومنزلت میں درجہ پاویں۔ پس اس کا شکریہ جہاں تک تم کرسکو تھوڑا ہے ؛

اب صرف ایک بات اَور باقی ہے جس سے مجھ کو خبردار کردینا ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کے قائم کرنے سے تم نے تمام ہندوستان میں ایک نام پایا ہے اُمید ہے کہ اَور ضلعوں میں بھی اس طرح کے مدرسے صرف رعایا کی طرف سے قائم ہوں گے مگر یہ تمہارا مدرسہ سب سے اوّل اور سب سے پہلا کہلائیگا۔ اور اس ضلع کی رعایا اس نام سے پکاری جاوے گی کہ اپنے ہموطنوں کی خیرخواہی کے لیئے سب سے اوّل اُس نے روپیہ دیا۔ مگر اس وقت لالہ شیو بالک سنگھ سیکرٹری کمیٹی نے مجھ کو اطلاع دی کہ اسوقت تک صرف سترہ ہزار تین سَو روپیہ تک چندہ کے دستخط ہوئے ہیں۔ اگرچہ بہت سے لوگ ابھی باقی ہیں جو چندہ دینے کو آمادہ ہیں اور اب تک اُن کے دستخط نہیں ہوئے ہیں مگر

تم جانتے ہو کہ اِس کام کے لیئے ستر اسّی ہزار روپیہ کا تخمینہ ہوا ہے اور ابھی بہت سا روپیہ جمع ہونا باقی ہے - مجھ کو اُمید ہے کہ تم سب لوگ نہایت فیاضی اور دلی خوشی سے جہانتک تم سے ہوسکے گا چندہ دے کر اس کام کو انجام دوگے - مگر دیکھو اور ہوشیار رہو کہ چندہ دینے میں تمہاری ہمت جنہوں نے ابھی چندہ نہیں دیا ہے کمی نہ کریں - اور جنہوں نے چندہ دیا ہے وہ محنت اور کوشش میں تھک نہ جاویں - ایسا نہ ہو کہ یہ نیک کام جو تم نے اُٹھایا ہی اور جس سبب تمام ہندوستان میں تم نے نام پایا ہے خدانخواستہ انجام تک نہ پہونچے اور بعوض اِس نیک نامی کے اس ضلع کے تمام باشندوں علے الخصوص رئیسوں پر ایک بڑی بدنامی کا امیٹ دھبّہ لگ جاوے گا - اے میرے بھائیو ہمت کرو او مستعد رہو اور اپنے ہموطنوں کی بھلائی کے لیئے روپیہ کو عزیز مت رکھو اور جہاں تک ہوسکے دو - اور کوڑیوں کے بدلے بے بہا پُن اور عزّت اور نیکنامی لو - نہ صرف اپنے لیئے بلکہ اپنے اور اپنے بھائی بندوں کی اولاد اور پُشت در پُشت کے لیئے اور اُس کے بخیر انجام ہونے کے لیئے خدا سے دعا مانگو اور اُسی پر نظر رکھو کہ وُہی سب کام پورا کرنے والا ہے - آمین +

(سنگ بُنیاد رکھے جانے کے بعد سید احمد خان نے اس طرح خدا کی مناجات کی)

اے خُدا کے بندو خُدا کی مناجات کرو - خُدا کے نام کی مدح کرو - خُدا کا نام اس دم سے ابد تک مُبارک ہووے - آفتاب کے مطلع سے لیکر اُسکے مغرب تک خُدا کا نام ممدوح ہو - ہمارا خدا غریبوں کو خاک سے اُٹھا لیتا ہے - محتاجوں کو کوڑے پر سے اُٹھا کر بلند کرتا ہے - ہمکو اپنے خُدا سے محبت رکھنی چاہیئے - اُسنے ہماری آواز سُنی - اُسنے ہماری غریبی اور درماندگی پر نظر کی - سو جبتک ہم جیتے ہیں ہمارا بدن اور ہمارا دل اور ہماری جان اور مرنے کے بعد ہماری روح خُدا کی ستائش کریگی - اے خدا ہم میں روز بروز علم کی کمی اور جہالت کی تاریکی کی ترقی ہوتی جاتی تھی - تو نے ہمارے دل کو پھیرا کہ ہم علم کی روشنی پھیلانے پر مستعد ہوئے - بیشک سبکے دل تیری اُنگلیوں میں ہیں - جس طرف کو تو چاہتا ہے پھیرتا ہے - ہم سب تیرا شکر کرتے ہیں کہ تو نے ہمارے دلوں کو ایسے کاموں کی طرف پھیرا جو صرف ہمارے ہی لیئے مفید نہیں ہیں بلکہ ہمارے بعد جو بہت سی نسلیں آنیوالی ہیں اُن کے لیئے ایک روشنی ہیں - سوائے تیرے کس کا مقدور تھا کہ ہمارے دلوں کو جو تمام تر گناہوں اور بُرائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں ایسے نیک کام کی طرف پھیرتا - اے خدا تو خوب جانتا ہے کہ یہ مدرسہ جس کا پتھر آج ہم نے تیرے نام پر رکھا ہے - تیری غریب مخلوق کے فائدہ کے لیئے رکھا ہے - تو اپنے فضل سے اپنے نام پر اسکو قبول کر - اور جیساکہ تو نے خوبی سے اُس کا آغاز کیا ہے اسی طرح بخیر اُس کا انجام کر -

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؕ

۴

پولٹیکل اور سلطنت کی نسبت سرسید کی تقریریں بہت کم ہیں - صرف تین مرتبہ انھوں نے ایسے امور کی نسبت گفتگو کی ہے - جو ہم علے الترتیب ذیل میں درج کرتے ہیں +

اسپیچ جو سرسید نے درباب تقرر برٹش انڈین ایسوسی ایشن اضلاع شمال و مغرب ۱۰- مئی ۱۸۶۶ء کو بمقام علیگڈھ دی یہ ایسوسی ایشن ہندوستان کے معاملات پر پارلیمنٹ کی زیادہ توجہ حاصل کرنے کے واسطے قایم کی گئی تھی +

اے صاحبو-

میں اُس طوایف الملوک کے زمانہ کا ذکر نہیں کرتا جو اٹھارھویں صدی میں ہندوستان میں تھا بلکہ میں آپ کو اُس تاریخانہ زمانہ کو یاد دلاتا ہوں جبکہ ہندوستان ایک سلطنت شخصیہ کی حکومت میں تھا - ایک بادشاہ یا راجہ کروڑہا مخلوق خدا پر حکمران تھا - اس کی حکومت بہ نسبت اس کے کہ کسی قانون عقلی یا نقلی کے تابع ہو زیادہ تر اُس کی مرضی اور خواہش اور طبیعت اور غیظ و غضب کے تابع ہوتی تھی - آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے اپنے مسلمان بادشاہوں کی تعریف میں یہ کلمے بہت سُنے ہوں گے کہ مالک رقاب الامم - حالانکہ بادشاہ یا گورنمنٹ کو ایسا کہنا درحقیقت اُس کی نسبت تمام دنیا کی برائیوں کا منسوب کرنا ہے - بہرحال تمہارے پُرانے بزرگ اُس زمانہ کو بھگت چکے اور تمہارے ورے کے بزرگوں نے اُس طوایف الملوکی کے زمانہ کو بھی دیکھا - کچھ عجب نہیں کہ تم میں سے اکثر ایسے ہوں کہ ابتک اُس پُرانے زمانہ کو یاد کرتے ہوں - مگر جب کبھی تمہارا دل انصاف اور اخلاق کی طرف توجہ کرے گا تو تم خود اُس زمانہ کے نقصانوں اور اُس وقت کی حکومتوں کی بُرائیوں کا اقرار کرو گے - میں سمجھتا ہوں کہ اُس زمانہ کی حکومتیں نہ مسلمانوں کی شرع کے مطابق تھیں اور نہ ہندؤں کے دھرم شاستر کے مطابق البتہ زبردستی اور مردم آزاری کے قانون کی پابند تھیں - بڑا اصُول اُن وقتوں کی حکومتوں کا یہی تھا کہ جو زبردست ہے وہ کمزور پر غالب رہے اور جس طرح پر چاہے زیادتی اور جبر اور غضب سے صرف اپنے عیش و آرام کے لیئے زیردستوں کے حقوق کا تصرف کرے - پس ایسی حکومتوں کو بجز اُن غاصب شخصوں کے

جن کا کام اُس وقت میں بنا ہوا تھا اُور کون پسند کر سکتا ہے ۔
مدت تک ہندوستان پر یہی زمانہ گذرا پھر خدا کی یہ مرضی ہوئی کہ ہندوستان ایک دانشمند قوم کی حکومت میں دیا جاوے جس کا طرز حکومت زیادہ تر قانون عقلی کا پابند ہو بیشک اس میں بڑی حکمت خدا تعالیٰ کی تھی کیونکہ جب ہندوستان میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کے لوگ آباد تھے تو اُس خدا کو جو کرشن کا بھی ایسا ہی خدا ہے جیساکہ ہندو و مسلمان کا ضرور ایسی حکومت ہندوستان میں قایم کرنی چاہیئے تھی جو زیادہ تر عقلی قوانین حکومت کی پابند ہو (گو میری سمجھ ہے کہ کوئی نقلی قانون بھی جو خدا سے دیا گیا ہو عقلی قانون کے مخالف نہیں ہو سکتا) بہرحال ایک زمانہ گذرا کہ ابتدائے حکومت انگریزی سے لغایت ۱۸۵۸ء تم سب لوگوں نے آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں اپنی زندگی بسر کی ۔
حق یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہایت شائستگی اور نرمی اور بحفاظت مذاہب مختلفہ حکومت کی اُس کی حکومت میں بجز اسکے اُور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ بادشاہانہ حکومت نہ تھی اور جس کی بڑی ضرورت تھی کہ ہندوستان میں ہو ۔
ایک بڑی دقت ہندوستان کو جو آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں تھی وہ یہ تھی کہ اکثر بلکہ تمام معاملات ہندوستان کے صرف کورٹ آف ڈایرکٹروں تک پہونچتے تھے اور پارلیمنٹ سے بہت کم تصفیہ پاتے تھے ۔ مگر جب سے کہ جناب **ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا دام اقبالہا** نے حکومت ہندوستان کی اپنے قبضہ اقتدار میں لی اُس وقت سے جو زیادہ تر ہندوستان کی بھلائی اور بہتری کی توقع تھی ۔ اُس کا اصلی منشا صرف اسی بات کی توقع میں تھا کہ اب پارلیمنٹ کو ہندوستان کے امورات میں زیادہ تر مداخلت اور دسترس ہوگی ۔
اے صاحبو ۔ اس وقت مجھے کمال افسوس ہے کہ تم پارلیمنٹ کے ممبروں کا حال نہیں جانتے ۔ اُس میں اکثر ایسے فیاض اور منصف اور نیک دل ہیں جو انسان کو بھلائی پہونچانا ہی اپنا کام سمجھتے ہیں اور صرف یہی جانتے ہیں کہ ہم دنیا میں اسی لیئے پیدا ہوئے ہیں کہ انسان کو فائدہ پہنچاویں ۔ اُن کو مطلق اس بات کا خیال بھی نہیں ہے کہ جس کے فایدہ کے لیئے ہم کوشش کر رہے ہیں وہ کالا ہے یا گورا ۔ یہودی ہے یا عیسائی ۔ ہندو ہے یا مسلمان ۔ مگر زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ ابھی تک ہندوستان نے اُن فیاض طبیعت والوں کی فیاضی اور اُس عالیشان محکمہ کی حکومت کا کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا ہے ۔

آپ جانتے ہیں کہ اُس فائدہ سے اب تک کیوں ہندوستان محروم رہا ہے
اس کا سبب بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ ہندوستانیوں نے اب تک اُن سے تعلق پیدا
نہیں کیا اور وہ لوگ ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہیں۔ پھر وہ کریں تو کیا کریں۔
اگر تم بھی مثل اور رعایائے ملکہ معظمہ کے اس باب میں کوشش کرو اور تدبیر کرو اور اُن
لوگوں سے تعلق پیدا کرو اور اُن کو صحیح حالات اور ہندوستان کی عمدہ خواہشوں سے
مطلع ہونے کی راہ نکالو تو بلاشبہ تمکو بھی وہ سب فائدے حاصل ہوں۔ تم دیکھو اور سمجھو
اور غور کرو جو انگریز ہندوستان میں رہتے ہیں اُنھوں نے اس بات کی ضرورت سمجھی اور اب
وہ اس تدبیر میں ہیں کہ ایک نہایت عمدہ ایسوسی ایشن یعنی مجلس رعایا کے ذریعہ سے پارلیمنٹ
میں اپنا تعلق پیدا کریں اور اُس کے فیاض ممبروں کو اپنا حامی بناویں۔ پس اگر تم بھی
اس طرح پر اپنے لیئے راہ نہ نکالو گے تو ہمیشہ کے لیئے پچتاؤ گے ۔

اے میرے ہموطنوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایسے نادان نہیں ہو جو ان باتوں کو
نہ سمجھتے ہو اُن تدبیروں سے جو فائدہ تمکو اور تمہاری اولاد کو اور تمہارے ملک کو ہونے والا
ہے اُس کو نہ سمجھتے ہو۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں۔ کہ تمہارے دل میں خوف ہے کہ ایسا نہو کہ ہماری
ان باتوں سے ہمارے حکام ضلع جن کے ہاتھ میں ہماری جان اور مال اور عزت سب ہے
ہم سے ناراض ہو جاویں گورنمنٹ ہمکو بُرا اور غیر مطیع نہ سمجھنے لگے اور کہیں گورنمنٹ کے
نزدیک ہم مجرم نہ ٹھہریں۔ مگر یہ سب تمہاری غلطی اور خام خیالی ہے۔ تم یقین جان لو کہ
کوئی انگریز بلکہ کوئی شخص جس نے یورپ کے پانی کی ایک بُوند بھی پی ہوگی اس بات سے
ناراض نہیں ہوگا بلکہ اگر تم ایسی باتیں پیدا کرو گے تو اس میں بہت زیادہ محبت اور ارتباط ہوگا
تربیت یافتہ قوم کے نزدیک اب تمہاری کچھ عزت نہیں ہے مگر جب تم اس قسم کی مفید باتوں
میں قدم بڑھاؤ گے تو البتہ تمہاری عزت اور قدر و منزلت سب کی آنکھ میں ہوگی۔ کوئی عقیل
گورنمنٹ ایسی رعیت کو جیسے کہ بالفعل تم ہو ہرگز پسند نہیں کرتی اور تم کیسے ہی مسکین بنو اور
ہاتھ جوڑو ایسی حالت میں جس میں کہ تم اب ہو کبھی تمکو ایک عقلمند گورنمنٹ اپنا خیر خواہ نہیں
سمجھ سکتی۔ ممکن نہیں ہے کہ گورنمنٹ کا کوئی حکم گو وہ کیسی ہی نیک دلی سے جاری ہو اور
خصوصاً ایسی حالت میں جو بلا مشارکت رائے اور بلا مشورہ رعایا کے ہو برخلاف مرضی
رعایا کے نہ ہو اور رعایا کو گورنمنٹ کے کسی حکم سے بھی ناراضی نہ ہو۔ پس اگر رعایا اُس ناراضی
کو چھپائے اور اُسکو علانیہ گورنمنٹ کے سامنے پیش نہ کرے اور دل میں رنج رکھے اور
ظاہر میں ہاتھ جوڑے تو یہ علانیہ ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ رعیت گورنمنٹ کی خیر خواہ

نہیں ہے اور ضرور اپنے اس رنج کے دُور کرنے کے لیئے اور کچھ فکر یا کسی توقع میں ہے
پس رعیت کا با ادب اور مخلصانہ نیک نیتی سے اپنے تمام رنجوں کو گورنمنٹ پر ظاہر کرنا اور
اپنے تمام حقوق کا نہایت مضبوطی اور استقلال سے اپنی گورنمنٹ سے دعوے کرنا ایک بہت بڑا
ثبوت خیرخواہی گورنمنٹ کا ہے ٭

آپ مجھ کو معاف کیجئے میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں ہندوستان کی رعایا کی یہ
عادت ہوگئی ہے کہ گھر میں بیٹھکر گورنمنٹ کی ہزاروں شکایتیں کریں گے - انتظام حکام پر
اپنے گھر میں ہزار عیب لگاویں گے جن میں سے بہت صحیح اور درست بھی ہوں گے مگر جب
انگریزوں سے ملیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو گورنمنٹ کے بڑے خیرخواہ ہیں اور حکام کا
انتظام حد تعریف سے بھی بہت عمدہ ہے اور نہایت ہی خوب ہے - کوئی عقلمند آدمی
ایسی رعیت کو خیرخواہ نہیں سمجھ سکتا ٭

جان اسٹوارٹ مل صاحب اپنی کتاب انتظام مدن میں تحریر فرماتے
ہیں کہ ہر شخص یا کسی ایک شخص کے حقوق اور غرضوں سے گورنمنٹ کی طرف سے اُس
صورت میں کسی طرح غفلت ہونی ممکن نہیں جبکہ وہ شخص صاحب غرض اپنے حقوق کے
ظاہر اور ثابت کرنے پر بالطبع مائل ہو اور علانیہ جھگڑنے کو کھڑا ہو جاوے - عام اقبالمندی اور
عموماً بہبودی لوگوں کی اُسی قدر زیادہ ترقی پذیر ہوتی ہے جس قدر اُس کے پھیلانے اور
بڑھانے پر مختلف سمجھ اور قابلیت کے لوگ ساعی ہوتے ہیں - اے میرے دوستو ان
اصول پر اہل ہند اسی طرح کاربند ہو سکتے ہیں جس طرح اَور کوئی قوم ہو سکتی ہے - اُن پر
عمل کرنا اب تمہاری مرضی اور اختیار پر منحصر ہے اور تم خوب سمجھ لو کہ اگر تم خود کوشش نہ کروگے
تو کوئی تمہارے واسطے کوشش نہ کرے گا - تم کیوں اتنا ڈرتے ہو - تم مجھ پر خیال کرو کہ
میں بھی مثل تمہاری گورنمنٹ کے ایک ادنے رعیت میں سے ہوں بلکہ مجھ پر ایک اَور زیادہ
اطاعت گورنمنٹ کا بوجھ ہے کہ مَیں نوکر بھی گورنمنٹ کا ہوں - مگر دیکھو اس عام مجلس میں
کیسی علانیہ گفتگو کر رہا ہوں - تمکو معلوم ہے کہ ایام مفسدہ میں گورنمنٹ نے میرا خوب امتحان
کر لیا ہے کہ میں کیسا گورنمنٹ کا خیرخواہ ہوں - تم سب لوگ کیا خلوت میں اور کیا جلوت میں
میری اس رائے سے بخوبی واقف ہو کہ میری رائے میں جس قدر گورنمنٹ انگریزی کی عملداری پر
طمانیت اور اُس کو ہندوستان میں استقلال ہوتا جاوے گا - اور جس قدر ارتباط بڑھے گا
اُسی قدر ہندوستان اور ہندوستانیوں کی بھلائی اور بہبودی اور ہر قسم کی ترقی کا باعث
ہوگا - با اینہمہ میں تمکو اس عام مجلس میں سمجھاتا ہوں کہ تم اپنے بیہودہ خیالات اَور اوہام کا

مطلق دُرست کرو۔ گورنمنٹ کی طرف سے نیک دل رہو اور اسپر سب طرح کا بھروسا رکھو اور بے دھڑک اپنی تمام اغراض اور اپنی تمام ناراضیوں کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرو اور اپنے حقوق پر گورنمنٹ سے بخوبی بے دھڑک ہوکر جھگڑو کہ یہ باتیں عین خیرخواہی اپنی گورنمنٹ کی ہیں اور یہ سب باتیں جو مَیں تمکو سمجھا رہا ہوں اس کو بھی عین خیرخواہی اپنی گورنمنٹ کی سمجھتا ہوں بلکہ یہ سمجھ رہا ہوں کہ اس وقت جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں اس سے بڑھکر کوئی خیرخواہی گورنمنٹ کی نہیں ہوسکتی - مگر ان سب باتوں کے ساتھ میری یہ نصیحت بھی ہے کہ گورنمنٹ کی جانب سے اپنا دل صاف رکھو اور نیک دلی سے پیش آؤ اور سب طرح پر گورنمنٹ پر اعتبار رکھو ؞

اس تمام تقریر سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم سب بھی آپس میں مِل کر ایک ایسوسی ایشن بنانے کی تدبیر کرو جو شمال مغربی اضلاع کی ایسوسی ایشن کہلاوے اور اُس ایسوسی ایشن کے ساتھ جو انگلستان میں قایم ہوتی ہے اپنے مطالب و مقاصد کو گورنمنٹ اور پارلیمنٹ تک پُہنچانے کی تدبیر کرو تاکہ آیندہ کو تمکو پھر حسرت و افسوس نہ رہے ؞

۵
لیکچر

اس بات پر کہ ہندوستانی سردار اور ذی رُتبہ اور باوجاہت لوگ اپنے رُعب و داب کو اپنے ہموطنوں کی بھلائی پر کس کس طرح کام میں لا سکتے ہیں

یہ لکچر سینٹیفک سوسئیٹی کے انسٹیٹیوٹ میں پانچویں جولائی ۱۸۶۶ء کی رات کو انگریزی زبان میں سید محمد محمود نے اور اُردو زبان میں سکرٹر سوسئیٹی نے مجمع کے روبرو پڑھا +

ہمکو خیال کرنا چاہیئے کہ انواع اقسام کے وہ رعب و داب کیا ہیں جو دولتمند اور ذی رتبہ اور باوجاہت اور باوقار ہندوستانیوں کی ذات سے اُن لوگوں کی بھلائی کے لیئے جن پر وہ لوگ خدا کے نزدیک اور دنیا کی آنکھوں میں سردار ہیں کام میں آسکتے ہیں اور وہ کیا تدبیریں ہیں جن سے اچھی طرح اُن کا اثر ہو سکتا ہے اور پہلے سے بھی کسی ایسے رعب و داب نے اپنا اثر کیا ہے اور اگر کیا ہے تو وہ کس طرح کا رعب و داب ہے ہمنے کئی کروڑ آدمیوں کے باہمی ارتباط اور میل جول اور علم و ہنر اور مال و دولت کے نہایت عمدہ فوائد کو ترقی دینے اور اُنکو عمدہ عمدہ طریقوں کی رہنمائی کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا ہے پس ہمکو اپنے حال کی دیکھ بھال کرنی چاہیئے کہ ہماری نیت اور ہمارا ارادہ پاک صاف ہے؟ اور ہمارا مقصود اور ہمارا منشا نیک اور درست ہے؟ اور ہماری کارروائی کے طریقے ایسے ہیں یا نہیں جو از روے عقل اور تجربہ کے ہونے چاہئیں اور پھر ہمکو غور کرنا اور سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ ترقی ہمنے اپنے کاروبار میں کی ہے وہ کیا کی ہے اور کہاں تک کی ہے تاکہ ہمکو اپنا حال معلوم ہو کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور آیندہ کیا کرینگے +

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ہر تربیت یافتہ ملک میں ایسے ایسے سردار اور دولتمند اور ذی رتبہ اور باوجاہت اور صاحب وقار اور نہایت نامی اور مشہور تجار ہوتے ہیں جو اپنے زمانہ کے لوگوں میں آپس کے ارتباط اور آپس کے میل جول کے طریق کی بنیاد ڈالتے ہیں

اور اُن کے مال و دولت کی ترقی کی بلکہ اُن کے اطوار اور چلن کی بنا قایم کرتے ہیں ہندوستان میں یہ بات سب ملکوں سے زیادہ تر صادق آتی ہے کیونکہ ہندوستان میں ذی رتبہ اور باوجاہت اور باوقار آدمیوں کی نہایت تعظیم اور بہت سی کچھ عزت کی جاتی ہے۔ حد سے زیادہ اُن کا اعتبار اور اعتماد ہوتا ہے خصوصاً ایسے لوگوں کا جو مذہبی کاموں میں مقتدا اور پیشوا گنے جاتے ہیں مثلاً برہمن یا مولوی یا کوئی پیر فقیر کہ تمام ہندو مسلمان ہر ایک کی باعتبار اپنے مذہب کے بہت ہی کچھ تعظیم اور توقیر کرتے ہیں اور دن رات اُنکی رضامندی ڈھونڈتے ہیں اور اُن کے پند و نصایح پر کان دھرتے ہیں اور حد سے زیادہ اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہر سردار بڑے بڑے خاندانوں کا سرگروہ اور مرکز ہوتا ہے وہ بہت سے اپنے رفیقوں اور اپنے متعلق کاشتکاروں کی بستی کی بستی پر بھلائی برائی کے معاملوں میں ہر طرح کا رعب اور اختیار رکھتا ہے کسی اور ملک میں کوئی بڑا آدمی یا دولتمند یا عالم و فاضل اور دانا بلکہ نہایت نیک خصلت آدمی بھی بے شمار آدمیوں پر ایسا قوی دبدبہ نہیں رکھتا ہے جیسا کہ یہاں رکھتا ہے بلکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اور کسی ملک میں بے شمار آدمیوں کی طبیعتیں ایسی جلد کسی کی طرف راغب اور اُسکے قابو میں نہیں آجاتی ہیں جیسے کہ ہندوستان میں اور نہ کسی ملک میں ایسے بے شمار آدمی ایسی جلد تربیت اور ہدایت قبول کرتے ہیں جیسے کہ اس ملک میں۔ پس اس ملک میں تمام بڑے بڑے ایسے لازمہ اور ذریعے جو ہمیشہ باقی رہنے والے اور نیک کاموں اور بڑی بڑی تدبیروں اور انتظام کیواسطے ضروری ہیں موجود ہیں اب صرف اتنی بات کی حاجت ہے کہ عالی ہمت اور عالی حوصلہ اور جانفشانی اور جانکاہی کرنے والے لوگ جن کو خدا تعالےٰ نے ہر ملک میں پیدا کیا ہے اور کرتا جاتا ہے اُن قوتوں اور ذریعوں کو جو موجود ہیں حرکت دیویں اور صحیح سالم پہلوؤں پر پھیر آویں ہمکو غالب توقع کرنی چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی تمام کوششوں میں شریک اور متفق رہیں گے اور اپنی دلی رغبت اور نیک نیتی اور مستعدی سے کام انجام دیں گے اور کامیابی اور اقبالمندی اُن کے قدموں میں رہے گی۔

عام اور خاص اور ظاہری اور باطنی اطوار اور طریقوں میں کچھ اور ترقی ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ایک متوسط درجہ کا ہندوستانی بھی خوش اخلاقی اور تواضع و تکریم اور اچھی تربیت کی باتوں میں ایسے اور ملکوں کے اعلےٰ درجے کے آدمی سے جن پر خدا نے زیادہ عنایت کی ہے اور وہاں کے باشندوں کو بہت سی تربیت اور تعلیم بخشی ہے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے حاصل یہ کہ ہماری یہ خواہش نہیں ہے کہ ہمارا چال چلن ذرا بھی بدل جاوے

بلکہ بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ بدستور قایم رہے کہتے ہیں کہ اچھے اطوار اور اچھی تربیت ہر جگہہ یکساں ہوتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے اچھی تربیت اور تعلیم یافتہ لوگوں میں بلاشبہ وہ ارتباط اور ربط وضبط پایا جاتا ہے جو ایک قوم یا مذہب یا زبان کا شریف آدمی دوسری قوم یا مذہب کے آدمی سے فوراً پیدا کرلیتا ہے جن لوگوں نے ہمارے مُلک کے اطوار اور طریقوں کو خوب دیکھا بھالا اور سوچا سمجھا ہے بلکہ غیر مذہب اور غیر زبان کے ناآشنا لوگوں نے بھی اُن طور وطریقوں کو جیساکہ چاہیئے کمال خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ گلشن اقوام کی روح کے پھُولوں کی خوشبو اُس قوم کے اطوار ہوتے ہیں اور انھیں لوگوں کے اخلاق کا ظہور ہوتا ہے تو ہمارے لیئے بڑی فرحت اور فرحی کی یہ بات ہے کہ ہم یقین کریں کہ وہ سامان جس کا ہونا ضرور چاہیئے بہت کچھ ہماری طبیعتوں میں موجود ہے اور پھر ہم لوگوں میں سے ہر ایسے شخص کو جو کچھ بھی سربرآوردہ ہے لازم ہے کہ ہمارے اچھے اطواروں کے قایم رکھنے میں کوشش کرے اور ہماری اُن خواہشوں کو جن سے ہمارے اطوار ایک فتحمند قوم کے بہت سے ناآشنا لوگوں کے موجود ہونے سے جو صرف دبدبہ ہی رکھتے ہوں خراب ہوجانے ہیں روکے کیونکہ اُس مفتوحہ قوم کے ارادے کیسے ہی نیک اور دیانت کے ساتھ کیوں نہ ہوں مگر وہ فتحمند قوم اُس کے مقتضائے طبیعت اور نیت کو نہیں سمجھ سکتی ہے اِس لیئے مفتوحہ قوم کے اطوار ضرور خراب ہوجاتے ہیں یہ بات یعنی خراب ہوجانا اطوار کا اُن شکایتوں سے ثابت ہے جو خود اہل یورپ اپنے نوکروں اور اُن لوگوں کی بداطواری کی کرتے ہیں جن سے اُن کو اکثر کام پڑتا ہے اور ملنا جُلنا رہتا ہے ◆

اچھے چال چلن کے برخلاف بعضی رسمیں ایسی ہیں جو غرور یا نمود یا اعتقاد باطل پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناجایز اور مضر ہیں اِن رسموں کے گھٹانے اور مٹانے میں دولتمند اور ذی وقار ہندوستانی شریف بہت کچھ کرسکتے ہیں ایسی بری رسموں کو جو از روئے اخلاق کے ناجایز اور عام فائدہ وفلاح کے مخالف ہوویں ہرگز گوارا کرنا مناسب نہیں گو وہ کسی اعتقاد کے بموجب جایز گردانی گئی ہوں یا کسی مذہب کی رُو سے قایم کی گئی ہوں۔ ان بری رسموں میں سے نہایت مشہور بُری رسم بیوہ کے ستی ہونے اور بیمار کو دم واپسیں دریا کے کنارہ لیجاکر زبردستی سے اُس کی جان نکالنے کی رسم تھی اور دُختر کُشی اور شادیوں میں اسراف ہونا اب بھی موجود ہے اِن میں سے دُختر کُشی کی رسم ایک ایسی بد اور خراب رسم ہے کہ انسان کے دل میں جو اچھے اخلاق کا اثر قبول کرنے کی قابلیت ہے وہ رسم صرف

اُسی کو مغلوب نہیں کرتی اور فنا اور بداخلاقی ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ مخلوق کی ترقی کی بھی مانع ہے جس کے سبب سے قوم کی شان و شوکت اور دولت بڑھ نہیں سکتی۔ حال میں یہ ثابت ہوا ہے کہ اس طرح جانیں تلف کرنے کا نہایت سخت اور مہیب جرم بڑے تربیت یافتہ ملک یعنی انگلستان میں بھی موجود ہے مگر جن سببوں سے یہ جرم وقوع میں آتے ہیں وہ دونوں ملکوں میں مختلف ہیں انگلستان میں تو یہ گناہ جس سبب سے ظہور میں آتا ہے اُس کا ذکر کرنا ہمکو ضرور نہیں مگر ہندوستان میں یہ سبب ہے کہ عالی خاندان مفلس راجپوت شادی کے سامان مہیا نہ کرسکنے کے اندیشہ سے اپنے معصوم بچہ کو مار ڈالتے ہیں پس ہندوستان میں جو دختر کشی ہوتی ہے وہ شادیوں میں اسراف بیجا کی رسم کے ساتھ لازم و ملزوم ہے دولتمند اور شریف ذی وقار ہنود خصوصاً عالی خاندان راجپوت اِس جاہلانہ رسم بد کو مٹانے میں اپنی کوششوں سے بہتر نتیجے حاصل کرسکتے ہیں اسبات کا ہند و امیروں کو گورنمنٹ عالیہ کو یقین بھی ہے چنانچہ اودھ کے تعلقداروں اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے اسکے دفعہ کرنے میں بہت سی کوشش کی اور کامیاب ہوئے لیکن ابھی تک اس بُرائی کی بالکل بیخ کنی نہیں ہوئی اور بہت سی دقتیں اس کے جڑھ سے کھود ڈالنے کے لیئے اُٹھانی باقی ہیں ٭

ایک بُری رسم جس کو ہم مختصر بیان کریں گے بے تعداد جوروں رکھنا ہے جس کا بعض بعض مقاموں میں رواج ہے ممکن ہے کہ اس امر میں پند و نصیحت اور کوشش اسقدر کام نہ کرے گی جس قدر کہ اس کے امتناع کا ایک قانون اثر کرے گا اور اُس کے لیئے پہلے ہی سے گورنمنٹ کے حضور میں عرضی گذرانی گئی ہے ٭

آخر میں ان رسموں کے معاملہ میں ہم نہایت بُری رسم پر جس سے فاحشہ عورتوں (یعنی رنڈیوں) کا سلسلہ قایم اور زیادہ ہوتا ہے اور جس سے میلوں اور تماشوں اور تہواروں میں بازاروں میں کوڑا کرکٹ میل کچیل پھیلتا ہے توجہ کرتے ہیں ان سب خرابیوں کا اسطرح نسے علانیہ ہونے دینا گویا قوانین اخلاق کی تعمیل میں سُستی اور کاہلی کرنا ہے جس سے قوم کی معاشرت اور اخلاق اور عقل اور مال و متاع اور ملک کے کاروبار میں ضرر پہنچتا ہے اب ہم اُن سببوں پر کچھ تھوڑی سی نظر ڈال کر جو غیر مادی اور غیر محسوس تو ہیں لیکن نہایت عمدہ اور شاندار ہیں جن میں ہندوستان کے دولتمند اور ذی وقار شریف آدمی بھلائی پہنچانے میں اپنے رعب و داب کو بہت کچھ کام میں لاسکتے ہیں ایسے ذریعوں کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے کاروبار میں بہت سی قدر و منزلت اور ماہیت رکھتے ہیں ٭

ان میں سے سب سے اوّل جس بات پر ہمکو توجہ کرنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہم زمین کی مالیت بڑھانے میں کوشش کریں - امیروں میں سے بہت سے آدمی زمیندار ہیں جن میں سے بعضے تو ایسے وسیع اور اچھی جائدادیں رکھتے ہیں جن کے سبب سے اُن کو شہزادوں کی سی شان شوکت حاصل ہے اور بہت سے بڑے بڑے زمیندار بے شک ایسی شاہانہ حالت میں ہیں کہ وہ اپنی جائدادوں پر اُن کا کچھ محاصل بڑھانے کی نظر سے کچھ بھی توجہ نہیں کرتے اور بعضے ایسے کاروبار میں پھنسے رہتے ہیں جن کے سبب سے وہ اپنی زمین پر کافی توجہ نہیں کر سکتے اس موقع پر ہم یہ لکھ سکتے ہیں کہ اپنی ریاستوں میں نہریں اور سڑکیں بنوانے سے بڑی ترقی ہوتی ہے - مشہور ہے کہ بابو پرسنو کمار ٹاگور رئیس کلکتہ نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے اپنے علاقوں میں نہر کھدوائی ہے جس کے سبب سے اُن کی سالانہ آمدنی بہت زیادہ ہو گئی اور صرف نہر کے ہی طیار ہونے سے اُن علاقوں کی قیمت جو پہلے سے بھی قیمتی تھی دوچند ہو گئی جس طرح سے کہ دریا اور سڑک ہائے اعظم ایک قوم کی مال و متاع کے قایم رہنے کا باعث ہیں اسی طرح سے چھوٹے چھوٹے راستے اور نہریں ایک بڑے تعلقہ کیواسطے نفع اور بہبودی کا ذریعہ متصور ہیں اور اگر اس کام میں (جیسا کہ بعض وقت ہوتا ہے) اسقدر صرف کثیر ہوتا ہو کہ ایک زمیندار اُس کا متحمل نہ ہو سکے تو چاہیئے کہ چند زمیندار ایک دوسرے کے فائدہ کے واسطے باہم شریک ہو کر اُسکو پورا کریں - سوائے اس کے اور بہت سی باتیں جائداد اراضی کی ترقی سے متعلق ہیں ممالک مغربی و شمالی میں آبپاشی کے طریقے اور بھی بہتر ہو سکتے ہیں اور عمدہ عمدہ کلوں کے ذریعہ سے قسم قسم کے طریقے کھیتی کرنے کے جاری ہو سکتے ہیں جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں زمین خشک بھی ہو سکتی ہے اور زمین افتادہ کے تر و تازہ کرنے کی تدبیریں بھی ہو سکتی ہیں - اودھ کے تعلقداروں اور راجپوتانہ کے راجاؤں نے بڑے بڑے خرچ اور لاگت کے کاموں یعنی اودھ اور راجپوتانہ میں آہنی سڑکوں کے بننے میں شرکت کی ہے اُن علاقوں کی ترقی کے طریقوں میں جن کا ذکر ہوا بہت سے بنگالی زمینداروں نے بہت سی کوشش کی ہے - خصوصاً بابو جے کشن مکرجی نے جنہوں نے حال میں گورنمنٹ بنگال کو ایک نہایت معقول مشورہ دیا کہ ایک مدرسہ کشتکاری کا مقرر ہو اور اُس میں کشتکاری کا فن تجربہ کے ساتھ ہندوستانیوں کو سکھایا جاوے مگر افسوس کہ لفٹنٹ گورنر نے اس معقول اور مفید صلاح کو منظور نفرمایا - اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے مدرسہ کا قایم ہونا شروع ہی سے بڑی کامیابی کا باعث ہوتا اور پنجاب اور بنگالہ کے زمیندار اُسکی مدد اور تعلیم سے نہایت خوشی

کے ساتھ فائدہ اُٹھاتے ۔ ہندوستان کے تمام حصّوں میں سے طالب علم اس مدرسہ میں آتے اور تھوڑے ہی برسوں میں ہم دیکھ لیتے کہ کاشتکاری کے کاموں میں بڑی ترقی ہوگئی جس قدر زمین اور روپیہ اِس کام میں صرف ہوتا اُس کی تعداد بالفعل بعید از قیاس اور فضول معلوم ہوتی ہے۔ اِس موقع پر ہم زمینداروں کے دلوں پر اِس بات کو بخوبی نقش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہر کام میں گورنمنٹ کی امداد کی آرزو نکریں ۔ یہ سچ ہے کہ اِس مُلک میں گورنمنٹ کو زمین کی مالیت کی ترقی سے ظاہرا فائدہ ہے کیونکہ وہ خود بھی بہت بڑی زمیندار ہے اور اُس کے کل محاصل کے ایک ثلث سے بہت زیادہ زمین سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ کاشتکاری کی ترقی میں جس طرح سے ممکن ہو مدد دیوے مگر پھر بھی جہاں تک ہو سکے اس دلیل کا خیال اور استعمال نکرنا چاہیئے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب کچھ آدمی بذات خود ایک کام کرنے پر مستعد ہوتے ہیں تو اَور لوگ بھی اُنکی مدد کرنے لگتے ہیں مگر جب تک کہ وہ خود آمادہ نہ ہونگے کوئی ساتھ نہ دیگا ۔ یہ ممکن ہے کہ گورنمنٹ اپنا ایک پیسہ بھی زیادہ صرف نہ کرے کیونکہ ایک ایک ہندوستانی زمیندار بالکل ایسا ہی مالدار ہے جیسا کہ اُس کا ہمجنس متمول انگلستان میں ہے ۔ انگلستان میں امیر آدمی اپنے ذاتی فائدوں کا آپ ہی خیال رکھتا ہے اور آپ ہی اپنے خاص انجنیر اور علم جمادات کے عالم اور کان کھودنے والے مقرر کر لیتا ہے اور جو وہ یہ سمجھتا ہے کہ کاشتکاری کے مدرسہ سے اُسکی جائداد کو فائدہ ہوگا تو وہ خود ہی بلا استعانت پارلیمنٹ یا ہمقوموں کے مقرّر کر لیتا ہے ۔ یہ سبب ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اُسکی مختصر سی ملکیت بیس ہزار ایکڑ کی ایسے غیر ملک کی ایک لاکھ ایکڑ کی ملکیت کے برابر ہے جہاں کے باشندہ ہر ایک ترقی کیواسطے گورنمنٹ پر ہی حصر کرتے ہیں ۔ اس طریقہ میں ہندوستان کے سوداگر زیادہ عقلمندی سے کام کرتے ہیں یعنی وہ گورنمنٹ سے کسی نئی جنس کے پہلے پہل تجارت کرنے کی اِستدعا نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی صورت فائدے کی ہو تو وہ خود ہی اختیار کر لیتے ہیں ۔ امریکہ کی ملکی لڑائی سے پہلے کیا گورنمنٹ سے کئی برس کیواسطے روئی کی تجارت کی درخواست ہوئی تھی اگر ایسا ہوتا اور روئی کی تجارت گورنمنٹ کی خاص تجارت ہوتی تو اُس وقت میں ہماری گورنمنٹ تمام دنیا میں نہایت متمول ہوتی ایک مدرسہ کاشتکاری کا بھی اِس مُلک میں ہوتا اور فن کاشتکاری کا ایک معلم بھی مقرر ہو جاتا جب اس مُلک کے لوگ ہندوستان کو ایسا سمجھتے جیسا کہ فرانس والے اور ہالنڈ والے اپنے ملک کو سمجھتے ہیں مگر محنت اور ایجاد اور اختراع اور استقلال اور طبیعت کی آزادی کم ہو جاتی اور کم ہو جانا ان چیزوں کا مُلک کی

کامیابی اور زمین کی زرخیزی کے حق میں مضر ہے ان تمام کوششوں میں سے جو زمین کی ترقی کے واسطے ہونی چاہئیں اُن تدبیروں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے جن سے بھیڑ بکری اور اَور مویشی اور تمام قسموں کے پرندوں کی نسل جو کھیت سے تعلق رکھتی ہیں درست ہووے۔ اسٹریلیا کے نو آبادیا قسند سے دُور دُور کے ملکوں سے پشمینہ کی بھیڑیں اور اونٹ اور اَور جانوروں کے منگانے میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں۔ یہاں بھی نہایت متمول آدمی مثل مہاراجہ بردوان اور راجہ پٹیالہ کے البتہ ایسا خرچ کر سکتے ہیں عوام میں سے کسی میں یہ سکت نہیں ہے کہ ایسا بڑا خرچ بیدھڑک اُٹھا سکے ہاں اگر کچھ لوگ جمع ہو کر بالاتفاق ایسا کام کرنا چاہیں تو ممکن ہے کیونکہ سفید جانوروں کی نسل درست کرنے کے لیئے کچھ دنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک جانے کی ضرورت نہیں۔ بھیڑوں کی نسل اس طرح درست ہو سکتی ہے کہ کشمیر اور تبت اور کابل سے منگائی جاویں اور بنگالہ کی گایوں کی نسل اس طرح پر درست ہو سکتی ہے کہ وہاں ممالک مغربی و شمالی اور دکھن سے منگائی جاویں اور علٰے ہذالقیاس۔ چنانچہ مسٹر ٹیلر صاحب نے پٹنہ میں اسی طریق پر عمل کیا۔ کہتے ہیں کہ اُن کی کھیتی میں بڑی پیداوار ہوتی ہے ۔

اِن دونوں معاملوں یعنی کاشتکاری اور پرورش مویشی کے فن میں بہت سی نمایشوں میں جو تمام مُلک میں قایم ہوئی ہیں بلاشبہ گورنمنٹ پیش قدمی کرنے لگی ہے اور ہندوستانی زمینداروں اور امیروں نے بھی بے تکلف بہت سی مدد دی ہے اور ہمیشہ کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ اس کام سے بہت سا اصلی فائدہ ہوگا یہ ممکن ہے کہ اوّل ہی اوّل جو نمایش کیجاوے اُس میں تکلف اور بناوٹ ہونے کے سبب سے فائدہ اُس کا ضایع ہو جاوے لیکن اس میں کچھ شُبہ نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ بناوٹ اور تکلف پر فائدہ غالب رہیگا اور فائدہ ہی اُن نمایشوں کا خاص مقصود ٹھہرے گا ۔

جو دولتمند ہندوستانی تجارت کے کاموں میں مصروف ہیں اُن کو یہ بات بتلانی کچھ ضرور نہیں کہ کس کس شئے میں اُن کا فائدہ ہے اور کس کس طرح سے اُن کو اپنی قابلیت اور رُعب و داب کو اپنے نفع کی ترقی دینے اور اپنے مُلک کی تجارت کے بڑھانے میں کام میں لانا چاہیئے کچھ تھوڑا سا کہنا کافی ہوگا کہ وہ اپنے تمام معاملات میں نہایت صداقت اور دیانت برتیں اور ملک میں ایسے ایسے فنون اور کارخانہ جاری کریں جن سے اقبال اور کامیابی حاصل ہو۔ اس موقع پر ہم بابو ہیرالال سیل صاحب کی مثال دے سکتے ہیں کہ وہ ابھی دنوں میں گنگا کے جنوبی کنارہ پر مقام پتھر گھاٹا میں جو منگیر سے بہت دُور نہیں ہے جہاں

چینی بنانے کی مٹی کی کھان نکلی ہے چینی کے برتنوں کا کارخانہ قایم کرکے اپنی دولت کو بڑھارہے ہیں ✦

اس بات کے بیان کرنے سے ہماری طبیعت خواہ مخواہ اس پچھلے مضمون یعنی کھانوں کی طرف مائل ہوتی ہے چاہیئے یہ کہ بہت سے کھان کھودنے والوں اور زمین کے پہچاننے والوں کو بہم پہنچاکر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملک کا امتحان کرایا جاوے۔ ہمکو اس بات کے یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ ہندوستان مفید معدنیات اور فلزات سے ازبس معمور ہے چنانچہ پہاڑوں میں کثرت سے لوہا موجود ہے اور کوئلہ جا بجا نکلتا ہے ✦

غالباً ملک برہما میں ٹین مل سکتا ہے اور یہ بات مدت سے معلوم ہے کہ سُرمہ تبت کوچک میں موجود ہے جہاں ہمارے دولتمند آدمی کار برآری کر سکتے ہیں۔ سُنا ہے کہ راجہ منڈی کے علاقہ اور ملک پنجاب میں نمک بہت ہوتا ہے اگر ایک عمدہ کان نمک کی ملجاوے تو زمین کے قطعہ کی قیمت ہزار گنے سے زیادہ ہوجاتی ہے اور قرب وجوار کے لوگوں کو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے ✦

ہم ایسے مضمون کے ذکر کرنے سے پہلے جو بہبودی اور کامیابی سے متعلق ہیں یہ کہتے ہیں کہ وہ دولتمند اور ذی رتبہ ہندوستانی جو کہ قصبوں اور شہروں میں جائداد کے مالک ہوتے ہیں اپنی رعایا کی جسمانی حالت کو بہت ترقی دے سکتے ہیں اس طرح پر کہ کوچے فراخ اور صاف اور مکان ہوادار بنائے جاویں اور راستوں میں درختوں کی قطاریں لگائی جاویں تو ہوا کی غلاظت کا اثر جو بسبب انبوہ آدمیوں اور تنگی کوچوں کے ہوتا ہے دُور ہوجاوے اور اُن کی تندرستی کو ضرر نہ پہنچاوے اور تالاب بھی عمدہ پانی کے کھدوائے جاویں ✦

اب ہم سب سے اخیر اور بڑے معاملہ کا ذکر کرتے ہیں جن میں اوروں کی بہ نسبت نیکی پھیلانے کے واسطے رعب داب زیادہ موثر ہے۔ اُن میں اوّل معاملات عقلی اور بعدۂ مذہبی اور روحانی کا ذکر کرینگے۔ اس مقام پر ہم بلا شبہ اوّل درجہ پر تعلیم کو قرار دینا چاہتے مشرقی دنیا میں بہت سے علوم اور عالم ہوتے ہیں۔ لیکن اب تک اصلی یا دقیق علوم کا حاصل کرنا اور روزمرہ کے کاروبار اور ہنر وفن میں موافق علم کے عمل کرنا باقی ہے علم کے بموجب عمل کرنا ایسی چیز ہے کہ اسی کے باعث سے یورپ کو اسقدر سربلندی حاصل ہوئی ہے جو طبیعت یا رائے کی آزادی کے باعث سے نہایت عمدہ ہوگیا ہے یہ یورپ کی آزادی طبیعت بسبب تہذیب مذہب کے پیدا ہوئی ہے اور اس تہذیب مذہب

کے باعث سے جو لوگ کہ جسم اور روح کی جبر و تعدی میں مبتلا تھے اُس سے آزاد ہو گئے۔ ہماری رائے میں اسی باعث سے یورپ اس بڑے درجہ کو پہنچا ہے جو اُسکو اسوقت میں حاصل ہے اور شاید بسبب تہذیب مذہب کے ہندوستان بھی اُس عالی رتبہ کو پہنچ جاوے گی جو اُسکو اپنے خلق کی وجہ سے دنیا کے اور ملکوں میں حاصل کرنا چاہیئے پس ہمکو اپنے مُلک کی ترقی کی توقع سچی اور عمدہ علم کے پھیلنے پر کرنی چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جبتک عموماً علم نہ پھیلے گا اُس وقت تک انسانوں کے خیر خواہ لوگ جو کچھ جانفشانی اور کوشش اپنے ملک کی بھلائی کے واسطے کرینگے وہ اُن کو بیفایدہ معلوم ہوگی اور جو عمدہ باتیں وہ بھلائی کے واسطے عمل میں لاویں گے اُس کو کچھ استقلال اور ثبات نہ ہوگا۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسیکہ چاروں طرف اندھیرا اور تاریکی ہو اور اُس میں خفیف سی روشنی چمکتی ہو اُن لوگوں کی تمام عمر ایسی کوشش میں صرف ہوگی کہ گویا ریت کی بنیاد پر ایک سنگ مرمر کا محل بنایا تھا۔

اِس معاملہ میں اور اور ہو ایک صورت میں نہایت استحکام کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کا متفق ہونا بڑے کام کی چیز ہے۔ نہایت قوی آدمی اگر تنہا ہو بہت سے آدمیوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ہے اور نہایت عمدہ اُن نتیجوں کی قدر و منزلت جو بہت سی قوتوں کے شامل ہونے سے حاصل ہوتی ہے اس طرح سے بڑھنے کی بہ نسبت جس طرح علم حساب میں جمع کے عدد بڑھتے ہیں ایسی بڑھتی ہے جیسے ضرب کے قاعدہ سے عدد بڑھتے چلے جاتے ہیں پس یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو خدا تعالےٰ نے عزت اور وقر اور اختیار عنایت کیا ہے وہ صرف اپنے ہی فائدوں کی رعایت اور حفاظت میں متفق اور مجتمع نہ ہوں بلکہ تعلیم اور نیک باتوں اور اخلاق کے ایسے معقول اور مضبوط اصولوں کو شایع کرنے میں بھی اتفاق کریں جن کے سبب سے ایک ملک قوموں میں امتیاز حاصل کرتا ہے ؛

تعلیم مختلف قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہے یعنی دیسی زبان اور انگریزی زبان اور ایسی تربیت جس سے جسم درست رہے اور آدمی توانا اور تندرست رہوں اور علم انشا وغیرہ اور مردوں اور عورتوں کی تعلیم اور تعلیم عام اور تعلیم خاص۔ عام تعلیم سے ہماری مراد یہ ہے کہ بہت سے دہقانوں کے گروہوں کو جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں دیسی زبانوں میں بدرجہ اعتدال تعلیم کیجاوے اور صرف لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جاوے اگر ان لوگوں کی عورتوں کو اب سے پچیس برس گذرنے سے پہلے پڑھایا لکھایا جاوے گا تو ہماری رائے میں وہ بموقع

اور یہہ اثر ہوگا۔ یہ لوگ جو بہت محنت اور مشقت اور سختی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اس لیئے اُن کی جسمی تربیت کیواسطے یہ طریق زندگی ہی کافی وافی ہے اور کچھہ سکھانے سمجھانے کی حاجت نہیں۔ اور قصبوں اور شہروں کیواسطے ایسے اسکول اور کالج جن میں انگریزی اور دیسی دونوں زبانوں میں تعلیم کیجاوے قایم ہونے چاہیئں۔ یہ خاص تعلیم بڑے درجہ کی تعلیم کی ہوگی اور ان اسکولوں اور کالجوں میں بڑے دقیق علم کو بڑی منزلت دینی چاہیئے اور اُن کی بڑی جماعتوں کے طالب علموں کی جسمانی تربیت کیواسطے کسی عام مقام میں ایک اکھاڑا کافی ہوگا اور لڑکیوں کیواسطے علیحدہ مدرسے ہونے ضرور ہیں ٭

علاوہ اس کے امیروں اور بڑے آدمیوں اور عالم و فاضل لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے ایسوسی ایشن اور سوسئیٹی اس غرض سے بناویں کہ مفید علم بارزانی شایع کریں اور عمدہ عمدہ علوم اور فنون کو ترقی اور عظمت بخشیں اور فیاضی کے کام کیا کریں۔ ایسے مفید علم کو جو عوام کے فہم سے مناسبت رکھتا ہو اس طرح پر بارزانی شایع کریں کہ مفید مفید مضمونوں پر چھوٹی چھوٹی اور سستی اصول کی کتابیں مشتہر کریں اور جابجا ایسے آدمی مقرر کریں جو اُن کو گلی کوچوں میں بیچتے پھرا کریں اور صبح شام اُن مقاموں میں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں کوئی سستا اخبار سُنانے سے بہت فائدہ ہوگا لیکن اس طرح سے جو غذا اس اخبار کے ذریعہ سے مہیا کیجاوے وہ ایسی ہو کہ اُس میں گرمی اور جوش نپایا جاوے ملایم اور ٹھنڈی ہووے یعنی ایسی نہ ہو جس سے گمراہی حاصل ہو اور طبیعت بیفایدہ بھڑکے۔ اس عام اخبار کا ایڈیٹر جو تمام ہندوستان کے واسطے عام ہوگا ایسا نہایت عمدہ تعلیم یافتہ شخص ہونا چاہیئے جس کی طبیعت نہایت سلیم اور حلیم اور بے شر ہو اور عمدہ عمدہ دقیق علوم اور فنون کے رواج کے واسطے ایک علمی روزنامچہ کا مقرر کرنا اور علمی لیاقت یا خوبی صنعت کیواسطے انعام دینا ایسے عمدہ اور صاف طریقے ہیں کہ تھوڑے خرچ سے بہت سا کچھہ مطلب اُن سے حاصل ہوسکتا ہے۔ سوائے اُس کے لکچروں کا دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ٭

یہ بات بیان کرنے سے ہمکو خوشی ہے کہ ان سب باتوں میں بہت سی ترقی ہوگئی ہے چنانچہ دیہات میں دیسی زبانوں کی تعلیم بہت زور شور سے کی جاتی ہے اور تمام ملک میں جسم کی درستی کے واسطے اکھاڑے موجود ہیں اور بہت سے ایسے مدرسہ اور کالج جن کو صرف ہندوستانی قایم کرتے ہیں بڑے بڑے شہروں میں مثل کلکتہ اور لاہور اور آگرہ غازیپور کے جابجا قایم ہوتے جاتے ہیں اور عورتوں کی تعلیم خواہ پردہ میں خواہ مدرسہ میں ہونا ایسا سوال نہیں رہا جسپر کچھہ حجت اور شک و شُبہ باقی رہا ہو اور دقیق علم انشا کی جماعتیں بنتی جاتی ہیں

اور بہت سے اخبار جاری ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم اور ہر استعداد کے لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں۔ اور باوجود بے شمار اور بڑے بڑے ہرجوں اور دقتوں کے وہ اخبار ترقی پر ہیں ٭

اب ہم ختم کلام پر یہ کہتے ہیں کہ بڑے درجہ کی روحانی اور مذہبی تعلیم کے واسطے مختلف مذہبوں کی حقیقت پر مباحثہ کرنے کے لیئے ایسوسی ایشن یعنی جماعتیں مقرر کیجاویں جیسے کہ نہایت دانا اور نہایت اچھے ایشیا کے بادشاہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور ایمان کا زر خالص جن خراب باتوں سے پھیکا اور بدروپ ہو رہا ہے اُن بُرائیوں کو خاص خاص کمیٹیاں لوگوں کو جتایا کریں اور مقدس اور معزز کتابوں پر غور اور تمیز سے بحث کیجایا کرے اور غریبوں کیواسطے ہسپتالیں اور خیرات خانے اور رفاہ عام کے واسطے سرائیں بنائی جاویں۔ اس بڑے معاملہ میں بہت کچھ ہو بھی چکا ہے لیکن اُس کی مثالیں دینا کچھ ضرور نہیں شاید کسی کو ناگوار گذریں اس لیئے اس موقع پر سب مذہب کے لوگوں کی نسبت عموماً ذکر کرنا بہت اچھا طریقہ ہے۔ اب ہم اپنی گفتگو کو انگلستان کے ایک بڑے شاعر کے چند لفظوں پر ختم کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کہ "تمام انسانوں کی غرض ثواب سے ہے گو وہ کسی ڈھب اور کسی طریقہ سے حاصل کیا جاوے" ٭

٦

جو ۲۰ ستمبر ۱۸۶۷ء کو بروز جمعہ بنارس انسٹیٹیوٹ میں بابو فتح نرائن سنگھ بہادر کے مکان پر اہل ہند کی ترقی تربیت پر دیا گیا

وہ کون سی تدبیریں ہیں جن سے اہل ہند کی تربیت کو ترقی ہو اور وہ بھی مثل اَور مُلک کے رہنے والوں کے مُلکی فخر اور امتیاز حاصل کریں۔ اس مضمون میں غالباً مُلکی فخر سے وہ فخر اور عزت مراد ہے۔ جو کسی ملک کے رہنے والوں کو عام تربیت اور شایستگی کے پھیلنے سے بالالحاظ مذہب اور قوم کے حاصل ہوتی ہے۔ ہم لوگ اہل یورپ کو ایک شایستہ اور تربیت یافتہ قوم کہتے ہیں اور اُن کی نسبت ہر طرح کا ملکی فخر و امتیاز منسوب کرتے ہیں۔ وہ لوگ نہ ایک قوم ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں۔ مگر اُنھوں نے اپنے ملک میں بلالحاظ قوم و مذہب کے عام تربیت اور شایستگی پھیلانے سے مُلکی فخر اور امتیاز کا خطاب حاصل کیا ہے ٭

ہندوستان باستثنا رُوس اور بالٹک کے شمالی حصّہ کے یورپ کے برابر ہے اور جس طرح کہ یورپ میں متعدّد قومیں آباد ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی متعدّد قومیں بستی ہیں اور جس طرح یورپ کی قومیں باہم مشابہت رکھتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کی قومیں بھی باہم مشابہ ہیں۔ اگر کوئی پردیسی یورپ میں جاوے تو اٹلی والوں اور انگلستان والوں میں کچھ تمیز نہ کر سکے گا۔ اس طرح اگر کوئی پردیسی ہندوستان میں آوے تو ہندوستان کی بھی مشابہ قوموں میں یکایک کچھ امتیاز نہ کر سکے گا ٭

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کئی سو برس سے کم میں جس کا شروع زمانہ بارہ سَو برس کے قریب محمد قاسم سپہ سالار کے عہد سے قرار دیتا ہوں ایک اجنبی قوم ہندوستان میں آکر آباد ہوئی جو مزاج اور سیرت اور طبیعت اور خصلت میں ہندوستان کی قوموں سے بالکل مختلف تھی۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ نیچر نے قوموں کی خصلتوں اور طبیعتوں کا اختلاف زیادہ تر مُلک کی خاصیت پر رکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرد مُلک کے اُون دار جانور جب کئی نسل تک گرم مُلک میں رکھے جاتے ہیں تو وہ اُون جو نیچر نے اُن کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لیئے بنائی تھی باقی نہیں رہتی۔ پس کوئی قوم جو کسی مُلک میں آکر بسے ایک زمانہ کے بعد مُلک کی خاصیت سے اس قوم کا بھی قریب قریب وُہی رنگ ڈھنگ ہو جاتا ہے جو اُس ملک کی قوموں کا ہوتا ہے اور وہ قوم بھی اُس مُلک کی مشابہ قوموں میں داخل

ہوجاتی ہے - ملیبار کے کالے یہودیوں پر خیال کیا جاوے جو بخت نصر کے عہد میں ویران ہوکر وہاں آباد ہوئے - حالانکہ اُن کی اصلیت ملیباریوں سے بالکل مختلف ہے مگر مذہب کے اختلاف کے سوا کوئی شخص ان کو ایک ملیباری قوموں کی مشابہ قوم کے سوا اَور کچھ نہیں بتلا سکتا - پس مسلمان قوموں کی اصلیت کچھ ہی ہو مگر ایک مدت دراز کی سکونت اور توطن اختیار کرنے کے سبب نیچر نے اُن کے خون کو اُن کی اصلیت کو بدل دیا ہے اور جس طرح کہ اَور قومیں ہندوستان میں آکر آباد ہوئیں اور ہندوستان کی ایک مشابہ قوموں میں داخل ہوگئیں - اسی طرح مسلمانوں کا خون اور گوشت اور پوست ہندوستان ہی کی پیداوار ہے - اور ہندوستان ہی کی آب و ہوا سے بن گیا ہے - اس لیئے وہ بھی ہندوستان کی ایک مشابہ قوموں میں داخل ہیں ؛

مضمون میں جو ملکی فخر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے - اس سے غالباً وہی فخر مراد ہے جو ہندوستان کی تمام موجودہ قوموں کی مجموعی تربیت اور شائستگی سے بلالحاظ اُن کے مذہب اور اُن کی اصلیت کے ملک کو حاصل ہو - کیونکہ اگر اس لفظ کا یہ مطلب نہ سمجھا جاوے تو ملکی فخر کے لفظ کا استعمال صحیح نہ ہوگا اور نہ ملکی فخر باقی رہے گا - بلکہ خاص خاص قوموں کا فخر کہلائیگا - جس کا حاصل ہونا نیچر کے رُو سے بغیر ایک دوسرے کی ہمدردی اور مددگاری کے غیر ممکن ہے - اور اس کا نتیجہ بجز ملکی ذلت کے اَور کچھ نہیں ؛

شاید اس جلسہ میں ہمارے بعضے دوست ایسے ہوں کہ اہل ہند کی تربیت کو ترقی دینے کا مضمون سُن کر متعجب ہوئے ہوں اور خیال کرتے ہوں کہ اہل ہند کی تربیت میں کیا کمی ہے جس کی ترقی دینے کی تدبیروں پر گفتگو کی جاتی ہے - اہل ہند نے علم و ہنر و شائستگی میں تمام دنیا کی قوموں سے پہلے (مگر میں کہوں گا کہ مصریوں کے بعد) ملکی فخر و امتیاز حاصل کیا تھا - ہندوؤں کا علم الٰہیات اُس زمانہ کی تمام قوموں کے علم الٰہیات سے عُمدہ تھا - انکا علم انشا تمام دنیا کے علم پر فایق تھا - مہابھارت اور راماین کی رزمیہ نظم تمام دنیا کی رزمیہ نظموں پر سبقت لے گئی تھی - کیا مگھا کی رزمیہ نظم جس میں ایک روح نے بادل کے ہاتھ اپنے دوست کو پیغام بھیجا ہے اور جس میں برکھا کا سماں باندھا ہے اور ہر ایک ملک کی کیفیت جس میں وہ ایلچی بادل گزرے گا دکھائی ہے - اور پھر اُس روح کا رنج و غم وطن کی فراق میں جتایا ہے ایسی عمدہ تھی کہ اُس نے تمام دنیا کی بزمیہ نظم کو اشک حسرت سے ساون کے بادل کی طرح رُلایا تھا - ہندوؤں نے علم ہندسہ میں علم مثلث کے ایجاد میں اور بالخصوص اُس ثبوت کے ایجاد میں جس میں مثلث کے تینوں ضلعوں سے

اُس کی سطح دریافت ہوتی ہے کیسی کچھ نام آوری پائی تھی۔ علم حساب میں کسور اعشاریہ کے ایجاد میں کیسا کچھ اُن کو افتخار حاصل ہوا تھا۔ اہل عرب اگرچہ جبر و مقابلہ کی ایجاد کا دعوےٰ کرتے ہیں مگر ہندوستان نے ایسے قدیم زمانہ میں اس علم میں بھی ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ بعض عالموں نے اُنھیں کو اس کے موجد ہونے کا فخر و امتیاز دیا ہے۔ علم ہیئت میں ہندوؤں نے کیسی سربلندی حاصل کی تھی۔ زمین کی روزانہ حرکت کا جسکی خوشہ چینی فیثاغورث یونانی حکیم نے کی اور پھر جس کو پرنکس نے رواج دیا۔ ہندوؤں نے ہی سب سے پہلے خیال کیا تھا۔ چودہ سو برس پیشتر حضرت مسیح کے ہندوؤں نے ہی طریق الشمس کو ستائیس نچھتروں پر تقسیم کیا تھا۔ پارس راے نے اُسی زمانہ میں علم ہیئت کے نشان کو ہندوؤں کے نام سے سربلند کیا تھا۔ ہندوؤں کا علم جغرافیہ بہت کمتر درجہ کا گنا جاتا ہے مگر اُنھوں نے ساتویں آٹھویں صدی سے پیشتر جیسا کہ برہمنی سدھانتا سے ثابت ہے روم اور اٹلی کا حال جان لیا تھا۔ چین کے مُلک سے وہ بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ مگدھ کے راجہ نے دوسری صدی مسیحی میں اس کے پاس ایلچی بھیجے تھے۔ ان کا علم سیاست مدن اور فصل خصومات کا جیسا کہ منوسمرتی سے ثابت ہے نہایت اعلےٰ درجہ پر ترقی پایا ہوا تھا۔ اُن کے ہنر کسی مُلک کے ہنروں سے کم نہ تھے۔ فن عمارت ان کو بخوبی معلوم تھا زراعت کے فن میں سب سے اعلےٰ رتبہ رکھتے تھے۔ سنگ تراشی کے فن میں لاثانی تھے۔ ریشمی اور سُوتی کپڑے بُننے میں آج تک کسی مُلک نے اُن کی ہمسری نہیں کی ہے +

مسلمان بھی جو ایک اجنبی قوم گنی جاتی ہے اور جن کو میں نے ابھی ثابت کیا کہ وہ بھی ہندوستان میں مدت سے متوطن ہو جانے کے سبب مثل اور قوموں کے ہندوستان ہی کی ایک شایہ قوم ہو گئے ہیں۔ علم و ہُنر اور شائستگی میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے فصاحت اور بلاغت ان کا روزمرہ تھا۔ شاعری ان کے ماں کے پیٹ سے اُن کے ساتھ پیدا ہوتی تھی۔ حریری ہمدانی متنبیؔ کی کتابیں بھی اب تک دنیا میں موجود ہیں۔ پونے تیرہ سَو برس کی عورتوں کا کلام اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ جس کے ایک ایک فقرہ پر ہزاروں دُرِ شاہوار کی لاکھوں لڑیاں نثار ہوتی ہیں۔ اُنھوں نے یونانیوں سے جتنا لیا اُسکو بہت بڑھایا۔ اور پھر کیا کچھ کر دکھایا۔ طب کو کیسی کچھ ترقی دی۔ علم کیمیا کے اصولوں کے ایجاد کا فخر مسلمانوں ہی کو نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ انگریزی زبان میں اب تک بہت سے لفظ عربی زبان کے اس علم کی اصطلاحوں میں مستعمل ہیں۔ علم حیوانات میں ابوعثمان اور

علم نباتات میں **عبدالرحمان برونی** کیسے نام آور ہوئے۔ وزن ہوا اور علم مائیات اور جذب مرکزی اور تجاذب اجزا کی اُنھوں نے راہ نکالی۔ اس بات کا فخر بلاشبہ مسلمانوں ہی کو ہے۔ کہ انھی کے بزرگوں میں سے **ابوعلی الحسن** تھا جس نے یونانیوں اور تمام دنیا کے لوگوں کی اس غلطی کو صحیح کیا۔ کہ آنکھ سے شعاع بصر نہیں نکلتی بلکہ تمام چیزوں کی شبیہ آنکھ میں آکر بنتی ہے۔ اسی تحقیقات کا یہ نتیجہ ہے جو تم آجکل **فوٹو گراف** کی ایسی ایسی عمدہ تصویریں دیکھتے ہو۔ **خلیفہ مامون** کے عہد میں جو زمین کے دائرہ عظیمہ کی نمائش سنجار اور کوفہ کے میدانوں میں ہوئی وہ آج تک ہمارے فخر کا باعث ہے۔ مسلمانوں کا عہد کثرت مدارس سے نہایت اعلےٰ درجہ کی عزّت رکھتا ہے۔ بغداد۔ کوفہ۔ نیشاپور۔ قرطبہ۔ غرناطہ کے مدرسے تمام دنیا کے لوگوں کے لیئے بہت بہت بڑی یونی ورسٹی کے سے مدرسے تھے۔ اسپین یعنی اندلس کے کتب خانہ شاہی میں ایک لاکھ کتاب مجلد طلائی جلد سے آراستہ تھی۔ اور خلفائے بنی امیہ اندلسی کے وقفی کُتب خانہ میں چھ لاکھ کتب مجلد تھی جس کی فہرست چوالیس جلد میں تھی۔ اس کے سوا ستّر اَور کتب خانہ وقفی تھے۔ شام سیہ۔ بغداد کوہ قاسیہ۔ دمشق۔ اندلس۔ سمرقند۔ مراغہ اب تک ہمارے صدر خانوں کی ٹوٹی پھوٹی کھنڈروں سے معزز و ممتاز ہے۔ **خلیفہ ہارون رشید** عباسی نے شارلمین بادشاہ انگلستان کو ایک گھڑی بطور تحفہ کے بھیجی تھی۔ اور جس کا ذکر **ایجین ہارڈ** صاحب نے کیا ہے مسلمانوں کی ترقی تربیت کے لیئے ایک نہایت عمدہ ثبوت ہے۔ سب سے بڑی عزّت جو کسی قوم کو نصیب ہوسکتی تھی وہ مُسلمانوں کو نصیب ہوئی کہ تمام فرنگستان انھی کی بدولت علم و ہنر و شائستگی کے زیور سے آراستہ ہوا۔ **ڈاکٹر ڈراپر** صاحب فرماتے ہیں کہ علم کے سیکھنے میں اہل فرنگ **ابوعلی الحسن** اور **ابوموسیٰ** اور **ابوالوفا** اور اَور علماء عرب کے زیادہ تر رہین منّت ہیں۔ ہماری روشنی جو دارالخلافہ قرطبہ سے اُٹھی اور جس نے تمام فرنگستان کو روشن کردیا کبھی بُجھنے والی نہیں۔ پھر جبکہ ہندوستان کی ان دونوں قوموں کا یہ حال ہے تو اب کیا چیز باقی ہے۔ جس میں ہماری تربیت و شائستگی کی ترقی دینے میں گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ باتیں جو کچھ مذکور ہوئیں سب سچ ہیں۔ اور حقیقت میں ہندوستان کی دونوں قوموں کے بڑے فخر کی باعث ہیں۔ سچ ہے کہ دونوں قومیں کیسی ہی مٹ کیوں نہ جاویں ان کا یہ آبائی فخر مٹنے والا نہیں۔ مگر اتنی بات ہے کہ بڑوں کے نام پر غرّہ کرنا اور آپ کچھ نہ ہونا عقل کی بات نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ دو چیز در دو چیز باور نیاید۔ ذکر توانگری در فقیری و ذکر جوانی در پیری ٭

آدمی را بچشم حال نگر ٭ از خیال پری و دے بگذر

ہمارے بزرگ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم میں تو وہ باتیں نہیں وہ بلاشبہ علوم دقیق کے موجد تھے۔ ہم تو اُس کے سمجھنے کے بھی قابل نہیں۔ پس ہمکو اپنے حال پر رونا چاہئیے۔ نہ بزرگوں کے نام پر مغرور رہونا ٭

جبکہ سلسلہ کلام کا یہاں تک پہنچتا ہے تو خود بخود ہماری طبیعت اس طرف مائل ہوتی ہے کہ ہرگاہ ہمارے بزرگ ایسے تھے اور وہ نہایت عمدہ علوم کے عالم بلکہ موجد تھے اور اَور ہنروں میں بھی باکمال تھے۔ تو ہماری ترقی تربیت اور کاملیت کے درجہ پر پہونچنے کے لئے یہی بات کافی ہوگی کہ ہم انہیں علوم و فنون آبائی کے زندہ کرنے پر متوجہ ہوں ٭

مگر اس خیال میں بڑا دھوکا اور اُس رائے میں بڑی غلطی ہے۔ ہمارے اُن بزرگوں کے بھی جن کا میں نے ذکر کیا کوئی بزرگ تھے۔ مگر ان بزرگوں نے اپنی کوشش کے ذریعہ سے بہ نسبت اپنے بزرگوں کے زیادہ علم و ہنر کے خزانوں پر رسائی حاصل کی تھی۔ بہت سے بیش قیمت علم کے جواہر خود تلاش کیئے تھے اور علم کے بہت سے جواہرات کو جلاکاری اور تراش خراش سے جگمگا کر خوبصورت بنایا تھا۔ اگر وہ لوگ ابتک زندہ رہتے یا ہم لوگ جو اُن کے جانشین ہوئے اپنے بزرگوں کی طرح علم و ہنر کی ترقی دینے پر مصروف رہتے تو اپنے بزرگوں کے علم و ہنر و شائستگی کو بہت زیادہ اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچاتے۔ اور اس دریائے ناپیدا کنار سے اور بہت سے نئے نئے اور عمدہ عمدہ موتی و جواہر ڈھونڈ کر نکال لیتے مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے بزرگوں کی کمائی بھی کھو بیٹھے۔ پھر اگر ہمکو ہوش آوے اور پھر اپنی تربیت کی ترقی پر متوجہ ہوں۔ تو ہمکو اول یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہماری غفلت اور نیند کے زمانہ میں اَور لوگوں نے کیا کیا ہے۔ اور علم و ہنر و شائستگی کو کہاں تک ترقی پر پہنچایا ہے اور جس قوم کو ہم دیکھیں کہ اس زمانہ میں علم و ہنر و شائستگی کی دولت سے مالامال ہے۔ اس کے سامنے ہم بھی اپنا ہاتھ پھیلاویں ٭

شائستگی سے میری مراد اُن رسموں اور عادتوں سے نہیں ہے جو بسبب مُلکی حالات اور آب و ہوا کی تاثیر سے مختلف ملکوں کی قومیں مختلف طور پر برتاؤ میں لاتی ہیں۔ اور ایک قوم دوسری قوم کی رسم کو حقارت سے دیکھتی ہے۔ ایک ہندوستانی ٹوپی اُتار کر ننگے سر ہونے کی رسم کو حقیر سمجھتا ہوگا۔ ایک یورپین جوتا اُتار کر ننگے پاؤں پھرنے کی رسم کو حقارت سے دیکھتا ہوگا۔ کوئی ہاتھ سے کھانا کھانے والوں کو جنگلی جانوروں کی مانند جانتا ہوگا۔ کوئی کسی کو تیلیوں اور چمچوں سے کھاتے دیکھکر متعجب ہوتا ہوگا۔ مگر اس قسم کی

رسموں پر خیال کرنا اور ایک کو دوسرے کی حقارت کرنا۔ یا اُس کے درپے ہونا شائستہ پن نہیں ہے۔ شائستگی سے میری مراد وہ خلقی اور علمی عمدہ باتیں ہیں جو نیچر کے قواعد پر خیال کر کر فی نفسہ عمدہ ہیں نہ کسی ملک یا کسی مذہب کی رعایت سے پس جبکہ ہم شائستگی کی ترقی کے درپے ہوں یا کوئی قوم اپنی فیاضی سے ہمکو شائستہ تربیت یافتہ کرنے کے درپے ہو تو ہم دونوں کو واجب ہے کہ ہم اس قسم کے تعصبات کو دل سے دُور کر کر اور دلی نیکی سے بلا کسی حقارت کے یا کسی اپنے غرور پندار کے ایک دوسرے کی نیکی اور ہمدردی میں شریک ہوں اور اپنے فرض کو اپنے بھائی بندوں کی بھلائی چاہنے میں ادا کریں ؁

اب ہم زمانہ حال کی قوموں پر نظر ڈالتے ہیں کہ کون قوم اس زمانہ میں تربیت کی دولت سے مالا مال ہے۔ ترک و عرب و فارس آجکل اُسی نتیجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جس نتیجہ کی ذلت و خواری ہم اُٹھا رہے ہیں۔ افریقہ نے کبھی تربیت و شائستگی میں نام نہیں پایا تھا البتہ مصر اگلے زمانہ میں بلکہ تمام دنیا میں سب سے پہلے نام آور تھا۔ اور اب بھی وہ کچھ کر رہا ہے۔ مگر ہماری رسائی کے قابل نہیں۔ ہماری سرحد کی قومیں تریہا والی بھوٹان والی شمالی پہاڑوں کی قومیں افغانستان اور اُس کے قریب کی قومیں حبشی وحشی اور جاہل ہیں تم ان کو خوب جانتے ہو۔ پس اب مدار علم و ہنر اور قومی شائستگی کی ترقی کا یُورپ اور امریکہ پر ہے۔ امریکہ اور یورپ کے بہت سے ملک ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ البتہ انگلستان کے علم کے خزانوں پر ہماری دسترس ممکن ہے۔ خدا نے ایک اجنبی قوم کو ہم سے ملایا ہے۔ جس سے صاف اُس کی مرضی ہی معلوم ہوتی ہے کہ ہم اُسی قوم کے ذریعہ سے پھر اپنے آپکو ایک اعلےٰ درجہ کی تربیت اور شائستگی پر پہنچاویں ؁

وہ ٹکڑا یورپ کا جو ہندوستان تک پہنچا میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالکل بے عیب ہے اور اُسکے خیالات میں بالکل آزادی ہے اور کسی قسم کی رُکاوٹ کیا آبائی کیا رسمی اور کیا مُلکی اس میں نہیں مگر ہاں یہ کہتا ہوں کہ اَور تمام قوموں سے عمدہ سے عُمدہ وصفوں میں زیادہ تر موصوف ہے۔ مجموعی صفت اُس قوم کی انسان کی بھلائی چاہنا اور سب کی ہمدردی کرنا ہے جو عین مرضی نیچر کی تھی جس نے ایک خون سے تمام انسانوں کو پیدا کیا ؁

ان تمام بیانوں سے مضمون جو بحث میں ہے از خود حل ہو جاتا ہے کہ ملکی فخر و تمنا حاصل کرنے اور اپنی شائستگی و تربیت کی ترقی دینے کو ہمکو بھی وُہی کرنا چاہیئے جو یورپ کی قوم یا ہمارے مہمان بھائی انگلستان کی قوم نے کیا۔ اُس نے کیا کیا۔ بجز علم کی ترقی کے اَور کچھ نہیں کیا۔ اور اُسی کی بدولت سب کچھ لیا۔ اور نہایت اعلےٰ رتبہ کا نام پایا۔ کن لوگوں کی

علم کی ترقی کی بدولت یہ نام ہوا- ڈیوک - لارڈ - ارل یا اَور رئیسوں اور شریفوں کے علم کی بدولت - نہیں نہیں - عام ملک کے علم کی ترقی کی بدولت - عام قوموں کی ترقی علم کی بدولت - یورپ کے ایک بہت بڑے عالم نے قومی تعلیم پر ایک بہت بڑا مضمون لکھکر اُسکے اخیر میں یہ چند فقرے لکھے ہیں - چنانچہ اپنا یہ کلام ہے - کہ یہ مضمون جسپر ہم گفتگو کر رہے ہیں ہر ملک کے لیئے نہایت ہی مفید ہے - رُوئے زمین پر کوئی ایسا حصہ نہیں ہے جسپر ایسی قوموں کے نشان نہیں ہیں جو ایک نہ ایک دفعہ ترقی اور بہبودی کی حالت میں تھیں - اور جو اَب بالکل یا اُس کے قریب قریب شائستہ قوموں کے شمار میں نہیں آتیں - ہر مُلک کی حالت اُس کے رہنے والوں کی طبیعت پر قایم رہتی ہے جہاں کے رہنے والوں کی طبیعت مستقل اور اُن کا دل روشن اور اُن کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں - ملک کی حالت بھی اچھی ہوتی ہے - بلکہ زیادہ عروج اور ترقی کی حالت میں پُہنچتی ہے اور جہاں عوام النّاس کے دلوں پر جہالت کی تاریکی اور رزیل خصلتوں کی بدستی چھا جاتی ہے تو تنزل شروع ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ زوال آجاتا ہے (افسوس کرنا چاہیئے جبکہ کسی مُلک کے خواص لوگوں کے لوپ اور اُن کی اولاد پر یہ کیفیتیں چھا گئیں تو اُس ملک پر کیا کچھ نہ زوال آیا ہوگا) اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک قوم کی حالت جو اَب موجود ہے - اُس قوم پر عوام کو روشنضمیر کرنا فرض ہے - پھر ہم لوگ اپنے تئیں انسان دوست خیال کریں یا ملک دوست کہیں - ہمپر اپنے ملک کی قومی تعلیم پر یکساں تعلق رکھنا واجب ہے کیونکہ اس سے ہمکو ہر ایک بات کی مدد ملتی ہے یہ قول اُس بڑے عالم کا ہماری مُلکی ترقی تربیت و شایستگی کے لیئے نہایت عُمدہ دستور العمل ہے پس ہمکو اپنے تئیں مُلکی فخر و امتیاز نصیب ہونے کے لیئے یہی چاہیئے کہ ہم عام علم اور عام تربیت کے پھیلانے پر یک دل ہو کر کوشش کریں مگر نہ کسی جھوٹے یا اوپرے دل سے اور نہ اپنی شان اور اپنا فخر دکھلانے کی نظر سے بلکہ نہایت عاجزی اور غریبی اور خاکساری اور دلی نیکی اور روحانی ہمدردی سے تاکہ ہماری فانی دولت ہماری قلب نما عزت ہمارا جھوٹا ظاہری فخر اس کے اثر کو لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جانے سے روک نہ دے ؀

اب یہ بات غور طلب ہے کہ جو قومیں زمانہ حال میں یہ فخر اور امتیاز رکھتی ہیں اور جو قومیں اگلے زمانہ میں رکھتی تھیں اُنھوں نے کس طرح اپنے ملک میں عام علم اور عام تربیت کو پھیلایا سب کے سب نے بالاتفاق اپنی اپنی زبانوں میں علم کے پھیلانے سے وہ بڑائی اور بزرگی حاصل کی ؀

ہنود و فرض کرلو کہ تمام علموں کے موجد تھے - اور اُنھیں نے کسی اَور قوم سے نہیں

لیا تھا اور یہ بھی مان لو کہ جس طرح کہ درحقیقت وہ یونانیوں کے احسانمند نہیں ہیں اسی طرح وہ مصریوں کے بھی احسانمند نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات ماننی پڑے گی کہ اُنھوں نے زیادہ تر تحقیقات اور زیادہ واقفکاری کے لیئے اجنبی قوموں کے علوم کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا۔ پانچویں صدی میں ہندو یونانیوں سے بخوبی واقف ہوگئے تھے۔ اُن کے کلام کو ادب سے لحاظ کرتے تھے۔ روماکا سدھانتا سے ثابت ہے کہ اُنھوں نے رومیوں کے علم ہیئت پر توجہ کی تھی غیر قوم کی سند سے ثابت ہے کہ ہندوؤں نے غیر قوم کے علوم و مسائل اپنی زبان میں ترجمہ کیئے تھے چنانچہ شت دساتیر کی شرح میں جو آتش پرستوں کی کتاب آسمانی ہے ساسان پنجم نے شنکراچارج کا نام بلفظ چنگر نگاچہ اور اس کے وہاں جانے اور ان کے علم الٰہیات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر لے جانے کا ذکر لکھا ہے +

یونانیوں نے بہت بڑا حصہ علوم و تربیت کا مصریوں سے پایا تھا۔ اور اُس بڑی دولت کو اپنی زبان میں ترجمہ کر کے رواج دینے سے مُلکی فخر و امتیاز حاصل کیا تھا +

مُسلمانوں نے جو یہ فخر و امتیاز حاصل کیا۔ اُنھوں نے یہی عام علوم کو یونانی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کر کر رواج دینے سے حاصل کیا۔ خلیفہ منصور نے یونانی زبان سے عربی زبان میں علوم کے مترجموں کو بہت بڑے بڑے انعام دیئے۔ خلیفہ مامون نے روم شام جرمنی۔ مصر سے یونانی کتابیں منگا کر اپنی زبان میں ترجمہ کیں۔ حینن عبادی جو ایک عالم عیسائی مذہب نسطوری فرقہ کا تھا۔ علم طب کا مترجم تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سنسکرت زبان کی کتابیں بھی اُس نے اپنی زبان میں ترجمہ کرائیں +

اسپین یعنی اندلس میں عبد الرحمٰن بن الحکم خلیفہ بنی اُمیہ نے یونانی زبان سے اپنی زبان میں کتب کے ترجمہ پر کمر باندھی بڑا نامی مترجم یونانی زبان سے عربی زبان میں ابو الوال تھا جس کا نام عرب اور یورپ میں مشہور ہے۔ بطلیموس کی مجسطی کا عربی میں ترجمہ ہونا کیسا بڑا ثبوت اس مدعا کا ہے +

اہل فرنگ بھی جن کی نسبت تمام بڑائیاں اس زمانہ کی ہیں نے منسوب کیں لیکن جب شائستگی اور مُلکی فخر حاصل کرنے پر متوجہ ہوتے تو اُنھوں نے بھی یہی کیا جو اوروں نے کیا تھا۔ گیارھویں صدی میں گروہ کے گروہ فرنگستان کے طالب علموں کے اسپین میں گئے۔ اور عربی زبان سیکھکر ارسطو اور یونانی حکیموں کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوچکی تھیں اپنی زبان میں ترجمہ کیں سب سے اوّل جس نے یہ کام کیا پادری کانسٹنٹن تھا۔ اسی طرح ڈانیل مورلی اور رابرٹ ایٹن اور ہنری ارل کے مدد کے

پادری ایڈی لارڈ اور اور لوگ عربی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنے پر مستعد ہوئے اور اسی طرح آج تک برابر مستعد چلے جاتے ہیں ◆

روس میں جب ترقی تربیت پر متوجہ ہوئے تو سب سے اول بادشاہ پیٹر دی گریٹ نے جس طرف توجہ کی وہ یہی بات تھی۔ کہ اجنبی مصنفوں کی عمدہ تصنیفات کے ترجمہ اپنی زبان میں کرکر چھپوائے۔ اُس بادشاہ کو علم کی پیروی میں جو جو قباحتیں پیش آئیں نہایت استقلال سے اُن پر ظفریاب ہوا۔ اس بلند اور مستقل ارادے کے پورا کرنے میں کہ وہ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے ملکیوں کی بھی اپنی زبان میں علم پھیلانے سے تعلیم کرے۔ اسکو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں۔ مگر اس کا مستقل ارادہ ان سب پر غالب آیا۔ اور اسی بات سے پیٹر اعظم کے لقب پانے کا سزاوار ہوا۔ اس کی محنت کے وہ نتیجے جو اپنی زبان میں علم پھیلانے کے تھے اب تک موجود ہیں اور ہمیشہ موجود رہیں گے۔ اگر پیٹر اعظم کو اُن بہت سے بادشاہوں سے جن کے بڑے بڑے کاموں کا روئے زمین پر غلغلہ ہے مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُن سب سے اسی کا نام بلند ہے سکندر کے ہاتھ سے جونہی عصائے شاہی گرا اُس کی ایسی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مشارالیہ میں بوناپارٹ کا بھی یہی حال ہوا۔ ان سب نے بہت سی چیزوں کو ہلایا مگر کچھ قائم نہ کیا۔ شہر اسکندریہ مقدونیہ کے بادشاہ کو اور مجموعہ قوانین فرانس کی فتحمند نپولین کو یاد دلاتا ہے مگر جو درخت روسی فتحمند پیٹر اعظم نے بویا وہ اب تک قائم ہے اور ہمیشہ روز بروز تر و تازہ ہوتا رہے گا۔ وہ درخت یہی علم کا درخت تھا جس کو اُس نے اپنی ملکی زبان کی آبیاری سے سرسبز و شاداب کیا تھا۔ بہت سے بادشاہوں نے اپنی سلطنت کا تکیہ تلوار پر کیا۔ مگر پیٹر اعظم نے اپنی سلطنت کی بنا علوم و شائستگی پر قائم کی۔ اُس نے اپنی ملکی زبان کی تہجی کو درست کیا۔ حرفوں کی شکلوں کو سنوارا۔ دارالخلافت روس میں چھاپے خانے مقرر کیئے۔ انواع اقسام علوم کی کتابوں کو اجنبی قوموں کی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرکر چھاپا۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی تو ۱۸۳۱ء تک تیرہ ہزار دو سو اُنچاس کتاب روس کی ملکی زبان میں شمار کی گئیں ◆

یہ مضمون جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ اُسپر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اور ترقی تربیت اور ملکی فخر و امتیاز کو بہت سے اقسام علمی و عملی و عقلی پر منقسم کرکر ہر ایک شاخ پر بہت لمبی لمبی بحث کی جا سکتی ہے۔ مگر ان سب کی انتہا یا اُن سب کا شروع اُسی ایک بات یعنی عام ترقی علم پر ہوتا ہے۔ پس حقیقت میں بھی ایک بات ہے۔ جس پر

ترقی تربیت اہل ہند اور ملکی فخر و عزت حاصل ہونے کا مدار ہے ٭

ان تمام حالات سے جو میں نے بیان کیئے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جو قوم تربیت و شائستگی میں ترقی پائی ہوئی تھی اُس قوم کے تمام علوم اُسی کی زبان میں تھے - اور جس قوم نے تربیت و شائستگی میں ترقی پانے کا ارادہ کیا اُس قوم نے تمام علوم کو اپنی زبان میں کرلیا - پس صاف اور مستحکم تدبیر ہندوستان کی ترقی تربیت و شائستگی کی جو ہزاروں برس کے اور بہت سے مُلکوں کے تجربہ کے بعد ہاتھ آئی ہے یہی ہے کہ وہ بھی تمام علوم و فنون کو جو اجنبی قوموں کے پاس ہیں اپنی زبان میں جمع کرنے اور بہت لوگ سب سے اوّل اسی تدبیر کے درپے ہوکر محنت سے - روپیہ سے - اور ہر قسم کی مدد سے اِس امرِ اہم کے انجام پر پہنچانے میں کوشش کریں - کلب اور سوسئیٹیاں اور انسٹیٹیوٹ یُورپ کے دیکھا دیکھی جس قدر ہندوستان میں قایم ہوتی جاتی ہیں اگرچہ مفید ہیں اور کچھ نہ کچھ فائدے سے خالی نہیں - مگر سب کی جڑ یہی ہے کہ سب سے پہلے علم کے خزانوں کو اپنے قابو کا کرو - اور پھر اُس کا لُطف اُٹھاؤ - اگرچہ وہ چیز تمہارے پاس نہ ہوگی جس سے تم کسی مجلس میں کھڑے ہوکر گفتگو کرنے کی قابلیت حاصل کرسکو تو صرف مجتمع ہونے سے اور کسی کی کوئی ٹوٹی پھوٹی بات سُننے سے کوئی کافی اور معتدبہ نتیجہ نہیں حاصل ہوسکتا ٭

علوم کا اہل ہند کے قابو میں نہ ہونے کا ایک بڑا ظاہری نتیجہ یہ ہے کہ ایسی بڑی عالی شان مجلس میں جیسی کہ یہ مجلس ہے مجھ سے جاہل آدمی کو یہ جُرأت ہوئی ہے کہ کھڑا ہوکر کچھ کہوں - اگر تمام علوم ہماری زبان میں ہوتے - تو بہت زیادہ لائق اور قابل آدمی کو بھی اہل ہند کے سامنے ایسے کام پر کھڑا ہونے کی جُرأت نہ ہوتی - غرضکہ بغیر اس کے کہ علم اپنی زبان میں ہو عام تربیت اور عام شائستگی کسی مُلک کو ہونی ممکن نہیں ٭

مَیں اپنے مضمون کو بغیر ایک بات کہے ختم نہ کروں گا کہ میں نے جو ہر مقام پر "اپنی زبان" کے لفظ کا استعمال کیا - تو "اپنی زبان" سے میری کیا مراد ہے - میں "اپنی زبان" سے وہ مراد لیتا ہوں جو کسی مُلک میں اس طرح پر مستعمل ہو کہ ہر شخص اُس کو سمجھتا ہو اور وہ اس میں بات چیت کرتا ہو - خواہ وہ اُس ملک کی اصلی زبان ہو یا نہ ہو - اور اسی زبان پر میں ورنیکلر کے لفظ کا استعمال کرتا ہوں ٭

اس مضمون سے جو مَیں نے آپ صاحبوں کے سامنے پڑھا میرا ارادہ بجز اسکے

اُور کچھ نہ تھا۔ کہ جو میرے خیالات نسبت ترقی تربیت اہل ہند کے ہیں وہ آپ صاحبوں
کے روبرو ظاہر کروں۔ تاکہ جو غلطیاں اُس میں ہوں اصلاح پاویں۔ اور جو بات ترقی
اہل ہند کے لیئے مفید ہو وہ سب کی غور اور صلاح میں آوے۔ اور
جو عُمدہ قرار پاوے ہم سب اُس کی پیروی کریں۔
اور خدا ہمارے ساتھ ہو
آمین

۷

ہومیاپیتھی

ہماری سوسائٹی کے لیف آنزیری سکرٹری سید احمد خاں نے ۱۷۔ دسمبر ۱۸۶۷ء کو بنارس ہومیاپیتھک ہسپتال اینڈ ڈسپنسری کے ایک بہت بڑے مجمع میں **ہومیاپیتھی** پر ایک لکچر دیا ہے جس کو بعینہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :-

وھوھذا :-

ہماری اس زندگی میں کوئی چیز ہمکو بیماریوں کے علاج کی طرف متوجہ ہونے سے زیادہ مفید نہیں معلوم ہوتی۔ اگلے وقتوں کے بڑے بڑے عالم اِسبات کے تصفیہ کرنے میں ہمیشہ متردد رہے کہ "علم الادیان" اور "علم الابدان" ان دونوں میں کونسا مقدم و مرجح ہے خیر اُن میں سے کوئی مرجح ہو مگر کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ بیماریوں کا علاج ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک چھوٹے بڑے امیر غریب کو بلکہ ہر ایک جاندار کو اُسکی ضرورت ہے۔ علم الابدان یعنی انسان کے بدن کی بیماریوں کا علم کچھ کھیل یا ہنسی کی بات نہیں ہے کہ ہم نہایت بے توجہی سے اُسکو کام میں لاویں کیونکہ کوئی علم ہماری اِس زندگی میں اِس سے زیادہ توجہ کا مستحق نہیں ہے ؏

ہم دنیا کی تمام چیزوں میں دیکھتے ہیں کہ روز بروز ترقی پاتی جاتی ہیں۔ جن چیزوں کی ہمارے بزرگوں کو خبر بھی نہ تھی وہ یکایک ہمارے ہاتھ آگئیں اور ہمارے لیئے نہایت مفید ثابت ہوئیں۔ بعضی چیزوں کا شروع ہمارے بزرگوں نے کیا یا اُن سے تھوڑی واقفیت حاصل کی اور ہم نے اُسکو روز بروز ترقی دینے سے ایسا عمدہ اور خوبصورت بنالیا کہ لوگ غلطی سے اُس کو ایک نئی چیز سمجھنے لگے حالانکہ اُس کی اصل نئی نہیں ہے۔ **ہومیاپیتھی** بھی اسی قسم کی چیز ہے جس کو لوگ غلطی سے ایک نیا قاعدہ علاج کا خیال کرتے ہیں حالانکہ اُسکی جڑ بہت پُرانے وقتوں سے چلی آتی ہے **ہنمین** نے صرف اُسکو بانی کر کر تر و تازہ کیا ہے ؏

اگر ہم فرض کریں کہ ہومیاپیتھی ایک نیا قاعدہ علاج کا ہے تو کیا ہم اس بات سے انکار کرسکتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی ایسی نئی چیزیں نکلی ہیں جو ہمارے لیئے نہایت مفید ہیں۔ اور اُن نئی چیزوں سے پُرانی چیزوں کی غلطی ثابت ہوئی ہے یا وہ نئی چیزیں بہ نسبت پُرانی چیزوں کے

نہایت آسان اور بہت زیادہ مفید معلوم ہوئی ہیں ؀

اکثر آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اپنے پُرانے طریقوں پر مضبوطی سے قایم رہتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ملہم پیغمبروں یا دیوتاؤں نے دیا ہو۔ انسان کی رائیں اگرچہ اس وجہ سے کہ وہ ہمارے بُزرگ تھے معزز ہوں مگر درحقیقت ریت کی بُنیاد ہے اور ہمیشہ زیادہ تر تحقیقات اور توجہ کے لائق ہے تاکہ نیچر یعنی قواعد قدرت سے اُسکی بخوبی آزمایش کیجاوے ؀

اگرچہ ہومیاپیتھی اب ایسی حالت میں نہیں رہی کہ اُسکی مخالفت سے کوئی شخص اُسکے مفید ہونے کو مٹا سکے۔ بڑے بڑے عالموں اور ڈاکٹروں نے اُسکی سچائی اور عمدگی کا اقرار کیا ہے۔ اُسکی ترقی روز بروز امریکہ۔ انگلینڈ۔ ایرلینڈ۔ فرانس۔ آسٹریا میں ایسی ہوتی جاتی ہے جیسیکہ سُورج کے اُبھرنے کے وقت سے دن کو۔ مگر اے میرے ہموطن بھائیو میں خاص تمکو خطاب کرکر کہتا ہوں کہ یہ مقولہ نہایت سچّا ہے کہ ”دواؤں کی آزمائش کرو اس میں انسان کی بھلائی متصور ہے“ پس اگر تمکو اُس میں شک ہے تو آزمائش کرو۔ اگر مقصد حاصل ہوا تو ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ کہ پُرانی چیزوں کے ایسے پابند ہیں کہ نئی چیز کو دیکھنا نہیں چاہتے وہ اپنی غلطی سے سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمنے دریافت کرلی ہے پس وُہی انتہا ہے اور اُس کے بعد اَور کچھ نہیں۔ اِس سمجھ کی غلطی ایسی علانیہ ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں اور خود زمانہ جس میں روز بروز نئی نئی اور عُمدہ عُمدہ معلوماتیں ہر ایک شاخ علم میں ہوتی جاتی ہیں اس سمجھ کی غلطی کو ثابت کرتا جاتا ہے۔ اے میرے دوستو۔ ہر ایک چیز کو بے تعصبی سے دیکھو اور جس کو عُمدہ پاؤ اختیار کرو۔ خواہ وہ **الوپیتھی** ہو خواہ **ہومیاپیتھی** خواہ اَور کچھ نیچر یعنی قاعدہ قدرت اسی بات کی ہمکو ہدایت کرتا ہے ؀

اس بات کے بتانے سے پہلے کہ **ہومیاپیتھی** کے اصول کب سے تسلیم ہوتے چلے آئے ہیں مجھکو بتانا چاہیئے کہ ہومیاپیتھی کے کیا معنی ہیں۔ اگلے زمانے کے یونانی حکیموں نے جن کی حکمت یورپ اور ایشیا میں پہلی بیماریوں کے علاج کا قاعدہ مرض کے مخالف دوا دینے سے تجویز کیا تھا جسکو وہ علاج بالضد کہتے تھے۔ یہی ٹھیک معنی الوپیتھی کے ہیں جو دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے۔ ہومیاپیتھی بھی دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے جس کے معنی علاج بالمثل یا علاج بالتشبہ کے ہیں۔ مگر تمام الوپیتھی اپنے اُس اصول پر قایم نہیں رہے یعنی اُنھوں نے بہت سی ایسی دواؤں کو پایا جو برخلاف اُن کے اُس اصول کے بہت مرضوں کو مفید تھیں۔ مسلمان حکیموں نے جو یونانی قاعدہ کے پابند تھے اُسپر محض خیالی

اور منطقی تقریریں کرنی شروع کیں مگر طب ایک عملی چیز ہے کچھ خیالی نہیں ہے کہ منطقی تقریریں اُسکی مددگار ہوسکیں۔ یہ تو ایک نیچر یعنی قدرت کی بات ہے اس کا ثبوت بھی نیچر یعنی قاعدہ قدرت سے ہونا چاہیئے۔ یورپ کے ڈاکٹروں نے کہ وہ بھی الوپیتھی اور اُسی یونانی قاعدہ کے پیرو تھے اُس تمام بکھیڑے کو کہ مرض کا علاج برخلاف دوا سے کیا جاوے یا نہیں چھوڑ دیا اور اُنھوں نے صرف تجربہ کو اختیار کیا اور جس مرض کے لیئے جو دوا مفید پائی اُسکو اختیار کیا اگر تمام الوپیتھی ڈاکٹروں سے پوچھا جاوے کہ فلاں دوا فلاں مرض کو کیوں مفید ہے یا مثلاً کونین بخار کو اور خصوص صفراوی بخار کو کیوں مفید ہے تو وہ بجز اسکے اور کچھ جواب نہیں دے سکینگے کہ فلاں سنہ میں فلاں فلاں نامی ڈاکٹروں نے اس کا تجربہ کیا اور اب تک تجربہ کرتے آتے ہیں اور مفید پاتے ہیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ مرض کے مثل ہے یا ضد ہے اسیطرح ایشیا کی یونانی طب کے طبیبوں سے اگر پوچھو کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لیئے باوجودیکہ تمہارے قاعدہ کلیہ علاج بالضد کے برخلاف ہے کیوں استعمال کرتے ہو تو اُس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ دوا اُس مرض کو بالخاصیت یعنی نیچر کی رو سے مفید ہے۔ پس حقیقت میں دوا کا زیادہ مفید ہونا نیچر کے قاعدہ پر منحصر رہا۔ اگر ہم بہت سی دوائیں ایسی تلاش کرلیں جو بالخاصیت یعنی بموجب قاعدہ نیچر کے امراض کو مفید ہوں تو بلاشبہ ہمنے نہایت عمدہ اور بہت بڑا مقصد اس زندگی کا حاصل کیا ہے ✦

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں الوپیتھی کا وجود ہوا اُسی زمانہ میں ہومیوپیتھی کے اصولوں کا بھی وجود تھا۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا جبکہ ہومیاپیتھی کے اصول نیچر یعنی قواعد قدرت پر مبنی ہیں تو جب سے نیچر تھا جب سے ہومیاپیتھی کے بھی اصول تھے۔ پھر مجھکو یوں کہنا چاہیئے کہ جب سے الوپیتھی کا وجود تھا اُسی وقت سے ہومیاپیتھی کے اصول بھی لوگوں کو معلوم تھے اور متعدد بیماریوں کے علاج میں مروج تھے۔ ہومیاپیتھی کوئی نئی بات نہیں۔ سنسکرت کے ایک قصیدہ میں جو سنگار تلاک کہلاتا ہے اور جس کا مصنف کالیداس ہے جو راجہ **بکرماجیت** والی **اوجین** کے مصاحبوں میں سے تھا اور جو راجہ چھپن برس پیشتر سنہ عیسوی کے مسند نشین ہوا تھا۔ اُس قصیدہ کے ایک شعر میں اُس کا مصنف ہومیاپیتھی کے اصول تمثیلاً اس مقولہ میں بیان کرتا ہے کہ "پُرانے زمانہ کی بات اس دنیا میں یوں سُنی گئی ہے کہ زہر خود زہر کے لیئے علاج ہے" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پورانے زمانہ میں بھی ہومیاپیتھی کے اصول لوگوں کو معلوم تھے۔ مُسلمانوں کی تو بعضی مذہبی رواتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زہر میں اُس کا علاج ہے۔ **ہپوکریٹس** کہتا ہے

کہ "جس قسم کی چیزوں سے بیماری پیدا ہوتی ہے جب اُسی قسم کی چیزیں بیمار کو دی جاتی ہیں تو وُہی چیزیں اُن بیماریوں کا علاج ہو جاتی ہیں" یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ بعضی دفعہ ادویہ مسہل قبض کر دیتی ہیں اور بعضی دفعہ قابض دوائیں اسہال کر دیتی ہیں۔ عربی زبان کی کتب طبیہ شاہد ہیں کہ بہت زمانہ گذرا کہ جب یونانی یعنی الوپیتھی طبیبوں پر اعتراض ہوا تھا کہ ان کا یہ قاعدہ کلیہ کہ مرض کا علاج بالضد ہوتا ہے صحیح نہیں کیونکہ تمام مرضوں کا علاج بالضد نہیں ہوتا بلکہ بعض مرضوں کا علاج بالمثل ہوتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ یونانی الوپیتھی حکیم ہومیوپیتھی کے اصول کو صحیح اور سچا جانتے تھے اس لیئے کہ وہ لوگ اقسام ادویہ کے بیان میں ایک قسم کی دواؤں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نام وہ لوگ دوائے ذوالخاصیت رکھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ وہ دوا ایسی ہوتی ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک ایسی طرح پر اثر کرتی ہے کہ اُس کا اُس طرح پر اثر کرنا اثر کرنے کے ظاہری اور رو بہی طریقوں سے دوسری طرح پر ہوتا ہے بلکہ اُن کی تاثیر ایک نہایت لطیف اور دقیق اور مخفی مناسبت کے سبب سے ہوتی ہے جس طرح کہ مقناطیس اور کہربا کی مناسبت لوہے اور گھاس کے جذب کرنے میں ہے یہی اصول ٹھیک ٹھیک ہومیوپیتھی کے ہیں کیونکہ جن دواؤں کا جن مرضوں کے لیئے وہ لوگ استعمال کرتے ہیں وہ اُسی لطیف اور دقیق مخفی مناسبت سے جو نیچر نے اُس دوا اور مرض میں رکھی ہے اپنا اثر کرتی ہے ؛

ڈاکٹر ھنیمن نے اُن اُصولوں کو ایجاد نہیں کیا بلکہ صرف دریافت کیا ہے اوّل اوّل یہ اصول یورپ کے ایک طبی اخبار ۱۷۹۶ء میں مشتہر ہوئے اور اُن کو ہزاروں عالموں اور معالجوں نے اختیار کیا جن میں سے بعضے یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور جب سے روز بروز اس کی ترقی ہوتی جاتی ہے البتہ لوگوں نے ہومیوپیتھی کے اصول کے سمجھنے میں جس کے معنی علاج بالمثل یا علاج بالشبہ کے ہیں غلطی کی ہے۔ بعضے لوگ اپنی غلطی سے اُس کا اصول اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ "جس چیز سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے وہی چیز اُس کا علاج ہے" بعضے لوگ اَور زیادہ غلطی میں پڑتے ہیں اور اُس کا اصول اس طرح پر بیان کرتے ہیں۔ کہ "ایک دوا یا زہر جو بیماری پیدا کرے گا وُہی اُس کو اچھا کرے گا" مگر یہ غلطی ہے ہومیوپیتھی کے یہ اصول نہیں ہیں بلکہ اُس کا اصول یہ ہے کہ جس چیز سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے مثل اُس کے یا مشابہ اُس کے جو چیز ہے وہ اُسکو اچھا کرتی ہے جو چیز کہ کسی چیز کے مثل یا مشابہ ہے اُسکو وہی چیز نہیں کہہ سکتے ؛

مگر لفظ مثل یا مشابہ کے معنی بھی بموجب اصول ہومیوپیتھی کے سمجھنے لازم ہیں گرم بیماری

کے مشابہ گرم دوا یا سرد بیماری کے مشابہ سرد دوا نہیں ہے جیسا کہ بیدک کے علاج کرنیوالوں نے سمجھا تھا بلکہ اصول ہومیاپتھی کے بموجب مشابہ دوا وہ ہے کہ اگر حالت صحت میں وہ دوا دیجاوے تو انسان کے بدن میں اُسی قسم کے آثار پیدا کردے جیسے کہ اُس بیماری کے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ جب وہ دوا اُس قسم کی بیماری میں دی جاوے گی نیچر یعنی قواعد قدرت کی رُو سے اُس بیماری کو فی الفور اچھا کردے گی گویا نیچر یعنی حکمت حکیم مطلق نے ہمکو یہ نشان بتا رکھا ہے کہ جو دوا حالت صحت میں جس بیماری کے آثار پیدا کرنے والی ہے وُہی دوا حالت مرض میں اُسکا علاج ہے۔ پس ہومیاپتھی کسی آدمی کا بنایا ہوا علاج نہیں ہے بلکہ نیچر یعنی قدرت کا بتایا ہُوا ہے +

اِس تقریر کو اَور زیادہ روشن لفظوں میں بیان کروں۔ فرض کرو کہ حالت صحت میں یعنی جبکہ حبس البول نہیں ہے کوئی ایسی چیز کھائی جاوے جس سے یہ عارضہ پیدا ہوجاوے تو یہی چیز اگر اُس وقت استعمال کیجاوے جبکہ حبس البول کی بیماری سے کوئی بیمار پڑے تو اُسی دوا کے استعمال سے وہ بیماری اچھی ہوجاوے گی۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اسپینی (یہ ایک قسم کی مکھی ہے) مکھی میں یہ تاثیر ہے کہ اگر اُسکا لیپ کیا جاوے تو مثانہ کو بہت نقصان پہونچاتا ہے اور حبس البول اور اَور تکلیفدہ بیماریاں جو مثانہ سے علاقہ رکھتی ہیں پیدا کرتا ہے۔ مگر جب حبس البول کی بیماری کسی اَور طرح پر پیدا ہوگئی ہو تو اُسکو کھودیتی ہے۔ بلاڈونا جب حالت صحت میں کھایا جاوے تو نفث الدم اور قروح المری اور بخار اور درد سر پیدا کرتا ہے اور یہ سب علامتیں حمار دموی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور بیماری کی حالت میں یہ دوا حمار دموی کو دُور کرتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ بلاڈونا حمار دموی کو پیدا نہیں کرتا اور نہ اِس کے سبب سے حمار دموی عارض ہوتی ہے بلکہ حالت صحت میں کھانے سے اُسی قسم کے آثار پیدا کردیتا ہے جو حمار دموی میں ہوتے ہیں جس دوا کو ہر کوئی جانتا ہے وہ کونین ہے اگر حالت صحت میں اُس کا استعمال کیا جاوے وہ بخار پیدا کرتی ہے اور اگر بیماری کی حالت میں استعمال کیا جاوے تو بخار بالکل کھودیتی ہے۔ اسی طرح پر اور بہت سی مثالیں ہیں کہ اگر اُن کو بیان کیا جاوے تو بہت طول ہے اور آپ لوگوں کو تکلیف ہوگی غرض کہ تمام علاج ہومیاپتھی کے اسی اصول قدرت پر مبنی ہیں +

البتہ یہ بات بیان کرنی کہ وہ دوا جو صحت کی حالت میں استعمال کرنے سے جس قسم کی بیماری یا آثار پیدا کرتی ہے اُسی قسم کی بیماری کی حالت میں جو دوسرے سبب سے ہوئی ہو اُسکا استعمال کرنے سے وہ بیماری کیوں اچھی ہوجاتی ہے نہایت مشکل ہے

اِس سوال کا جواب الوپیتھی ڈاکٹر بھی بجز تجربہ کے اَور کچھ نہیں دے سکتے اور مسلمان یونانی حکمت کے پیرو حکیم بھی جبکہ وہ کسی دوا کو ذوالخاصیتہ تسلیم کرتے ہیں کچھ بھی جواب نہیں دیسکتے مگر اِس کا سبب نہ معلوم ہونے سے ہومیاپیتھی کے اصول میں کچھ نقصان لازم نہیں آتا۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ بجلی کی ایسی قوی اور تیز تاثیر ایک ادنٰے سے تغیر و تبدل میں کیوں ظاہر ہوجاتی ہے۔ کوئی اسکی وجہ بتا سکتا ہے کہ جن چیزوں سے بجلی پیدا ہوتی ہے وُہی چیزیں کیوں بجلی کو روک لیتی ہیں۔ مقناطیس کیوں لوہے کو کھینچتا ہے اور کس قطب نما کی سُوئی قطب کی طرف رہتی ہے۔ چیچک کے لیئے اُسی چیچک سے ٹیکا لگانے کے بعد کیوں چیچک نہیں نکلتی ہے۔ غرضکہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اُس کا تجربہ کرتے ہیں اُسکی وجہ نہ معلوم ہونے سے وہ چیز تحت النفی میں داخل نہیں ہوسکتی۔ پس تجربہ اور فایدہ اور بیماریوں کا اس طریقہ علاج سے اچھا ہونا بھی اُسکی سچائی کا ثبوت اور تمام لوگوں کا جو اِس کے برخلاف غل مچاتے ہیں خاموش کرنے والا ہے۔ باایہمہ کسیقدر بقدر طاقت انسانی اسکی وجہ بھی بیان ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مَیں ابھی اِس کی وجہ بیان کروں گا جبکہ ہومیاپیتھی کی دواؤں کی مقادیعنی قدر شربت ذکر کروں گا ۔

ہومیاپیتھی کے اصول میں دوا کا مقدار شربت داخل نہیں ہے اُس کا اصول صرف مشابہ کا مشابہ سے علاج ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ مقدار شربت کا ذکر نہیں خاصیت اور اثر اس قسم کے اقل قلیل مقادوں کا ایک جُداگانہ بات ہے مقدار شربت کا قرار دینا اُن لوگوں کی دانائی پر منحصر ہے جو اُن دواؤں کا استعمال کرتے ہیں اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقادیں کسی وجہ سے کامل اور بخوبی کافی ہیں لیکن کوئی آدمی اِس کا پابند نہیں کہ جب تک ازروئے تجربہ کے یہ اطمینان نہ ہوجاوے کہ یہ مقادیں بالکل بے خطرہ اور نہایت عمدہ صورت دوا دینے کی ہے اُن کا استعمال کرے مگر اقل قلیل دوا دیجاتی ہے اور اُس سے بخوبی کامیابی ہوتی ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ زیادہ مقادکی دوا دیجاوے ۔

ہومیاپیتھی تو اقل قلیل دوا دینے کی بجز تجربہ کے اَور کوئی وجہ نہیں بیان کرتے اور مقاد دوا ایک علیحدہ بات اصول ہومیاپیتھی سے قرار دیتے ہیں اور اِس بات کو علیحدہ قرار دینا بالکل درست ہے مگر جو خاصیتیں دواؤں کی یونانی الوپیتھی حکیموں نے بیان کی ہیں اور جنکو مسلمان طبیبوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اُس سے بھی بعضی قسم کی اقل قلیل دواؤں کا مؤثر ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیئے کہ اُنھوں نے اقسام ادویہ میں دو قسم کی دواؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام دوائے مطلق اور دوسری کا نام دوائے غذائی رکھا ہے۔

دوائے مطلق اُسکو کہتے ہیں جو بغیر اس کے کہ جزو بدن بنے صرف اپنی کیفیت سے اثر کرے اور دوائے غذاوہ ہے جو جزو بدن بن کر اپنی کیفیت اثر ظاہر کرے چنانچہ زہر مطلق اور فادزہر کو اسی قسم کی ادویہ میں شمار کیا ہے جو صرف اپنی کیفیت سے اثر کرتی ہیں اور اُسکی نسبت لکھا ہے کہ بہت تھوڑا بھی ویسا ہی اثر کرتا ہے۔ پس اب میں کہتا ہوں کہ جو دوائیں ہومیاپیتھی مین استعمال کی جاتی ہیں وہ بلحاظ دافع امراض ہونے کے از قسم دوائے مطلق ہیں اور اسی سبب وہ اپنی کیفیت سے اثر کرتی ہیں اور اقل قلیل اُس کا بھی نہایت کامیابی سے مؤثر ہوتا ہے ٭

لوگ کہتے ہیں کہ ہومیاپیتھی۔ کے قاعدہ پر علاج کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ جس مرض کے لیئے جو دوا دی گئی ہے اگر اُسکو فائدہ نہ کرے گی تو نقصان بھی نہ کرے گی اور اس بات سے لوگ متعجب ہوتے ہیں مگر یہ بات کچھ متعجب ہونے کی نہیں اگرچہ اس بات کی وجہ مشابہ دواسے مشابہ مرض کیوں جاتا رہتا ہے بجز اس بات کے کہ نیچر نے اُن میں ایسی ہی مخفی مناسبت رکھی ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا چنانچہ تمام الوپیتھی بھی بہت سی دواؤں کی نسبت ایسا ہی کہتے ہیں چنانچہ اسکا بیان اُوپر ہو چکا مگر مشابہ کا مشابہ سے علاج کرنے اور اقل قلیل دوا کے موثر ہونے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مرض جو اپنی تیزی سے بدن میں پھیلا ہوا ہوتا ہے جبکہ اُسی کے اثر کے مشابہ دوا پہونچتی ہے تو بسبب اُس قدرتی مناسبت کے جو دونوں میں ہے فی الفور مرض اُس دوا میں اُلٹا پھر آتا ہے اور دوا اُسکو روک لیتی ہے اور آثار بیماری کے فی الفور زائل ہو جاتے ہیں۔ اس بات کی حقیقت وہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو فن کیمیا سے بخوبی واقف ہیں۔ مگر میں ایک مثال دیتا ہوں شاید اُس سے کسی قدر یہ نکتہ حل ہو۔ فن کیمیا سے دریافت کیا گیا ہے کہ ہوا دو قسم کی ہواؤں سے مرکب ہے۔ ایک آکسیجن۔ دوسری ہائیڈروجن۔ مگر ہمیشہ ایک حصہ آکسیجن میں آٹھ حصہ ہائیڈروجن ملی رہتی ہے۔ ہم اُن دونوں ہواؤں کو الگ الگ بنا سکتے ہیں۔ مگر جب آکسیجن کو ہم شیشہ یا ہنڈی میں سے باہر نکال دیں تو فی الفور آٹھ حصہ ہائیڈروجن کو اپنے میں ملالیگی۔ پس اُن دونوں میں کیسی قدرتی مناسبت ہے کہ اپنے دوست کو فی الفور اپنے پاس کھینچ لیتی ہے۔ پس اسی قسم کی مناسبت مشابہ کا مشابہ سے علاج میں ہے کہ فی الفور مشابہ کو اپنے میں کھینچ لیتا ہے۔ اب فرض کرو کہ مرض کی تشخیص میں غلطی ہوئی اور جو دوا دی گئی تھی وہ مرض کے مشابہ نہ تھی تو وہ مرض کو تو فایدہ نہیں کرنیکی الا کچھ نقصان بھی نہیں کرنے کی اس لیئے وہ ایسی اقل قلیل تھی کہ وہ اپنے مشابہ پر تو

بسبب اصُول نیچر کے اثر کرسکتی تھی الّا دوسرے پر بسبب نہایت اور بعید قلیل ہونے کے کچھ بھی مؤثر نہ ہوگی - یہی سبب ہے کہ ہومیاپتھی کی دوا اگر فایدہ نہ کرے تو نقصان بھی نہیں کرتی ؛

میں نے بعض لوگوں کی زبانی سُنا جو یہ کہتے تھے کہ ہومیاپتھی عمدہ صحیح مگر یہ طریقہ نیا نکلا ہے اس کا تجربہ ہوتے ہوتے مدت چاہیئے - پھر کیا ہم اپنی جان کو تجربہ کے لیئے تختہ مشق بنا دینگے مگر ہومیاپتھی کی ناواقفیّت کے سبب اُن کو یہ دھوکا پڑا ہے - ہومیاپتھی میں بیماریوں کا اُن دواؤں سے علاج ہوتا ہے جو حالت صحت میں استعمال کرنے سے اُسی قسم کی بیماری یا آثار پیدا کرتی ہے - پس اسکی دواؤں کا تجربہ بیماروں پر نہیں ہوتا بلکہ صحیح تندرستوں پر ہوتا ہے - البتہ الوپیتھی میں دوا کا تجربہ بیمار پر کیا جاتا ہے جس میں اُس کی جان خطرہ میں پڑتی ہے - ڈاکٹر ہنیمن نے اور اُسکے شاگردوں نے اپنے پر دواؤں کا تجربہ کیا اور اُنکی خاصیت دریافت کی تب اپنے مریضوں کا علاج کیا - اب کسی بیمار سے پوچھو کہ طبیب کا اپنے پر دوا کا پہلے تجربہ کر لینا بہتر ہے یا بیمار پر - اب بتاؤ کہ بیمار اِس کا کیا جواب دیگا - اور کون سی بات کو پسند کرے گا ؛

بنارس میں ہومیاپیتھک علاج دو تین برس سے جاری ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ اُس کے مفید ہونے کے قایل ہیں مگر بعض کہتے ہیں کہ امراض تیز اور سخت اور دیرپا میں بکار آمد نہوگا مگر یہ خیال اُن کا بالکل غلط ہے - ڈاکٹر ہنیمن نے جب اوّل اُسکو دریافت کر کر ظاہر کیا تو وہ صرف دیرپا بیماریوں ہی کا اس سے علاج کرتا رہا - اور اب بھی یہ خیال بہت عام ہو رہا ہے کہ یہ علاج دیرپا بیماریوں ہی پر مؤثر ہو سکتا ہے مگر تیز بیماریوں میں جن میں فوراً نقصان کا احتمال ہے کیا کرنا چاہیئے - اُن میں ہومیاپتھی پر کیونکر بھروسا ہو سکتا ہے - اسکا جواب بہت تجربہ سے اور ہیضہ اور اَور نیز بیماریوں کے حالات کے نقشوں سے حاصل ہوتا ہے - جبکہ یورپ میں ایشیائی یا ہندوستانی وبائی ہیضہ نمودار ہوا تو بہت سے الوپتھی طبی مدرسے حیران اور پریشان تھے کہ اس اجنبی بیماری کا کیا علاج کریں اور اُن کے انواع اقسام کے علاج علانیہ بے اثر اور بیفایدہ ثابت ہونے لگے مگر ہومیاپتھی کے معالجوں کو صحیح اور اصلی مفرد دوائیں معلوم ہوئیں اور اُن کی کامیابی سے سب کو حیرت ہوئی - ڈاکٹر سیڈنہم صاحب نے جو الوپتھی کے ڈاکٹر تھے نہایت صداقت اور راستبازی سے فرمایا کہ مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ وبائی بیماریوں کے آپس میں ایسا فرق ہے جیسے اوتر دکھن میں - جو دوا کہ شاید کسی مریض کو شروع سال میں مفید ہو کیا عجب کہ آخر سال میں اُسکی ہلاکت کا باعث ہو - پھر

جب کبھی خوش قسمتی سے کسی قسم کے بخار کا صحیح علاج مجھ کو معلوم ہوجاتا ہے تو میں اکثر اُسی علاج کے ذریعہ سے کامیاب ہوتا ہوں اور یہ صورت اُس وقت تک قایم رہتی ہے جب تک کہ اُس قسم کی وبائی بیماری موقوف ہوتی ہے اور جب دوسری شروع ہوجاتی ہے پھر مجھکو دقت پیش آتی ہے کہ اب اُسکا علاج کیونکر کیا جاوے - بالآخر میں ایک دو مریضوں کی زندگی جو پہلے میرے پاس آتے ہیں خطرہ میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا - مگر یہ دقت ہومیاپیتھی میں واقع نہیں ہوتی - غرضکہ ہومیاپیتھی کا سخت اور تیز اور دیرپا سب قسم کی بیماریوں میں بخوبی تجربہ و امتحان ہوچکا ہے ۔

اگرچہ اِس وقت میں نے آپ صاحبوں کے وقت کو بہت مصروف کیا مگر ہومیاپیتھک علاج کے نتیجے جو اب تک معلوم ہوئے ہیں سنائے بغیر نہیں رہ سکتا - ۱۸۳۶ء میں ایشیائی یا ہندوستانی ہیضہ شہر وائنا میں گیا - وہاں الوپیتھی کے متعدد شفاخانہ تھے اور ایک ہومیاپیتھی کا شفاخانہ تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ الوپیتھی شفاخانوں میں فی صدی چوبیس[۲۴] آدمی اچھے ہوئے اور چھیاسٹھ[۶۶] مرے - اور ہومیاپیتھی شفاخانہ میں فی صدی سرسٹھ[۶۷] اچھے ہوئے تینتیس[۳۳] مرے - ۱۸۴۹ء میں بھی بیماری ایڈنبرگ میں ہوئی - الوپیتھی شفاخانہ میں آٹھ سو سترہ[۸۱۷] آدمی گئے جنمیں سے پانسو چھیالیس[۵۴۶] مر گئے اور دو سو اکہتر[۲۷۱] نے صحت پائی - اور ہومیاپیتھی شفاخانہ میں دو سو چھتیس[۲۳۶] آدمی گئے جنمیں سے ایک سو اناسی[۱۷۹] نے شفا پائی اور کُل ستاون[۵۷] مرے - ۱۸۶۶ء میں جب یورپ میں ہیضہ پھیلا اور لنڈن میں اور یورپ کے الوپیتھی شفاخانوں میں جن سے مریضوں کا علاج ہوا اُن میں سے حسب بیان لانسٹ صاحب کے فی صدی ساٹھ آدمیوں سے زیادہ مر گئے - مگر نیپلز میں ڈاکٹر روبینی صاحب نے ہومیاپیتھک علاج سے اور صرف کافور کے استعمال سے پانسو سے زیادہ مریضوں کا علاج کیا اُن میں سے ایک بھی نہیں مرا اور لندن میں اور اَور مقاموں پر بھی یہی نتیجہ حاصل ہوا ۔

ڈاکٹر روتھ صاحب نے جو ایک نقشہ بیماریوں کا الوپیتھی اور ہومیاپیتھی شفاخانوں کا بنایا ہے میں آپ صاحبوں کے ملاحظہ سے گذرانتا ہوں جس سے دونوں کا نتیجہ ظاہر ہوگا ۔

نام بیماریوں کا	فی صدی موت ہومیاپیتھی کے علاج سے	فی صدی موت الوپیتھی کے علاج سے
امراض الریہ	۵	۲۴
امراض احشاء البطن	۳	۱۳

نام بیماریوں کا	فی صدی موت ہومیاپیتھی کے علاج سے	فی صدی موت الوپیتھی کے علاج سے
امراض الامعاء	۴	۱۳
پیچش	۳	۲۲
دیگر ہر قسم کے امراض	۴	۱۰

گذشتہ ڈاک میں ایک پمفلٹ لنڈن سے آیا ہے جو میری نظر سے بھی گذرا اُسمیں بھی شہر واینا کے دونوں قسم کے علاجوں کے شفاخانوں کے نتیجوں کا ایک نقشہ مندرج ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذرانتا ہوں ◆

نام امراض		تعداد بیماران کی جن کا علاج ہوا	تعداد ان کی جو مرگئے	اوسط فی صدی کا نتیجہ وفات یافتگی
امراض الرّیہ	الوپیتھی	۱۱۳۴	۲۶۰	۳
	ہومیاپیتھی	۵۳۸	۲۸	۵
ذات الجنب	الوپیتھی	۱۰۱۷	۱۳۴	۱۳
	ہومیاپیتھی	۳۸۶	۱۲	۳
امراض الامعاء ...	الوپیتھی	۶۲۸	۸۴	۱۳
	ہومیاپیتھی	۱۸۴	۸	۰
پیچش	الوپیتھی	۱۶۲	۳۷	۲۲
	ہومیاپیتھی	۱۷۵	۶	۳
بخار	الوپیتھی	۹۶۹۷	۹۳۱	۹
	ہومیاپیتھی	۳۰۶۲	۸۴	۲۰
بخار مہلک	الوپیتھی	۹۳۷۱	۱۵۰۹	۱۶
	ہومیاپیتھی	۱۴۲۳	۲۱۹	۱۴

پس یہ سب چیزیں ہومیاپیتھی کے مفید ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے ۔

چند کلمے اور کہنے چاہتا ہوں - ہومیاپیتھک علاج سے ایسی قوتیں جن سے حیات قایم رہتی ہے انتظام پاتی ہیں اور محفوظ رہتی ہیں - یہ علاج مثل فصد اور مسہل اور ایسے علاجوں کے جن سے مُنہ آجاتا ہے یا پسینا بہتا ہے اور مریض کی رہی سہی طاقت پر جو بیماری کے صدمہ سے خود کم ہو جاتی ہے صدمہ عظیم پہونچاتا ہی نہیں ہے - ہومیاپیتھک علاج صرف بذاتہ مفید ہوتا ہے - اس علاج کی دوا صرف اُنھی اعضا پر اثر کرتی ہے جن میں بیماری ہوتی ہے - اگر بیماری دماغ میں ہو تو اس علاج سے معدہ میں فتور نہیں آسکتا جیسے کہ تیز مسہل سے ہوتا ہے - اور اگر پھیپھڑے میں حرارت پہونچے تو اس علاج سے بدن میں حرارت پیدا نہیں ہوتی - اس علاج کے فایدہ بخش نتایج اسی بات میں ظاہر ہوتے ہیں کہ مریض جلد اپنی اصلی تندرستی پر آجاتا ہے - اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے جب خاص عارضہ جاتا رہے جو بہت تھوڑے سے زمانہ میں جاتا رہتا ہے مریض بالکل صحیح و تندرست ہو جاتا ہے اور اُسکو مدت دراز تک افاقہ کا انتظار کرنا اور مقوی چیزوں کے کھانے کی نوبت نہیں پہونچتی ۔

ہومیاپیتھی کا علاج نہایت نرم اور خوشگوار ہوتا ہے اگر یہ نیا طریقہ ایسا ہی مفید ہو جیسکہ پُرانا طریقہ تو بھی اِس وجہ سے کہ نرم و خوشگوار علاج ہے اُسپر ترجیح دینے کے قابل ہے اور جبکہ پُرانے طریقہ سے زیادہ مفید ہو تو کس قدر مرجح ہونے کے قابل ہے حق یہ ہے کہ اب دواؤں کا اثر ایسا ثابت ہوا ہے کہ اب کچھ ضرورت سخت معالجوں اور ناگوار دواؤں کے کھانے کی جو اَبتک کھائی جاتی تھیں باقی نہیں رہی ۔

ہومیاپیتھی کے طریقہ میں مفرد دوا دی جاتی ہے یہ بھی نہایت عمدہ بات ہے جبکہ بیمار کو چند دوائیں ملا کر دی جاتی ہیں تو ایک دوا کی تاثیر اور قوت کا علم قابل اطمینان کے کیونکر حاصل ہوتا ہے - سیڈنہم کے زمانہ میں جو طب انگریزی کا موجد تھا عمدہ نسخوں میں ساٹھ ساٹھ بلکہ اَسی اَسی دوائیں ملائی جاتی تھیں مگر اُس زمانہ سے اب بہت کم دوائیں ملائی جاتی ہیں تاہم بھی مرکبات میں اگر دو دوائیں ہی مخلوط کی جائیں تو بالیقین ایک کا اثر بھی دریافت نہیں ہوسکتا ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مختصر حال ڈاکٹر ہنیمن کا جس نے زمانہ حال میں ہومیاپیتھی علاج کے اصول کو جاری کیا بیان کروں کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ اکثر میرے ہموطن اُسکے حال سے ناواقف ہیں ۔

ڈاکٹر ھنیمن جرمنی ملک کا رہنے والا تھا اور وہ الوپتھی علاج کا بہت بڑا ڈاکٹر تھا بہت سے لوگ اُس کا علاج کیا کرتے تھے اور اُسی پُرانے طریقہ علاج اطبار سابقین کو اُس نے بھی پسند کیا تھا اور جس طرح کہ اَور ڈاکٹروں سے علاج کرنیوالوں کا حال تھا اسی طرح اس کے علاج کرنیوالوں کا بھی حال تھا۔ کچھ اچھے ہوجاتے تھے اور کچھ مر بھی جاتے تھے۔ بلاشُبہ ڈاکٹر ہنیمن اپنے کام میں نہایت لئیق تھا مگر اُس کے دل کو اِس بات سے کہ لوگ کیوں اچھے ہوجاتے ہیں اور کیوں مرجاتے ہیں اطمینان نہ تھا وہ جانتا تھا کہ جس سے ایک مرض کو ایک دفعہ صحت ہوتی ہے اُسی سے اُسی مرض کو دوسری دفعہ صحت نہیں ہوتی۔ اُس کے پاس ایسا کوئی قاعدہ موجود نہ تھا جسکو وہ اپنا رہنما بناوے بلاشبہ لوگوں کے تجربوں کا نتیجہ اُسے معلوم ہوسکتا تھا مگر وہ خوب جانتا تھا کہ اُن کا نتیجہ صرف آزمایش اور امتحان پر مبنی ہے اُنھوں نے اپنے تجربہ سے دوا اور مرض کی مناسبت کو کچھ بھی ثابت نہیں کیا ہے پس اُسکو اس کام سے نفرت ہوئی اور اُس نے اپنی بہت بڑی طبابت سے اور علاج کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا جس کے سبب سے وہ محتاج بھی ہوگیا مگر علم طب کا اُسے ہمیشہ شوق رہا اور وہ ہر وقت اس بات کا تلاشی رہا کہ کوئی قانون قدرت کا اُسے ہاتھ آوے جسکو وہ اپنا ہادی اور رہنما بناوے۔ قانون قدرت ایک ایسی چیز ہے کہ جسکے وجود میں کسی کو کچھ بھی شبہ نہیں ہوسکتا جو کہ کونین اُس وقت بھی عام استعمال میں تھی اور بخار اور تپ لرزہ کے لیئے اُس دوا کے حکمی ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے اُس نے اسی بات کے دریافت کرنے کی فکر کی کہ یہ دوا بخار تپ لرزہ کے لیئے کس وجہ سے ایک حکمی دوا ہے۔ چنانچہ نہایت صحت اور تندرستی کی حالت میں اُس نے ایک روز تھوڑی سی کونین کھائی اور دوسرے دن پھر اُسیقدر کھائی فوراً اُسکو بخار کی سی علامتیں معلوم ہونے لگیں رہ رہ کر اُسکو سردی لگنے لگی اور گرمی محسوس ہونے لگی اور اُسکو یہ واقعہ نہایت عجیب معلوم ہوا۔ پھر اُس نے اُسکو نہ کھایا۔ چند ہفتہ بعد جبکہ وہ بالکل تندرست تھا پھر اُس نے اُس کی آزمائش کی اور پھر وُہی علامتیں بخار کی اُسکو معلوم ہوئیں تب اُس کا خیال اس طرف گیا کہ اُس نے ایک ایسا قانون معالجہ کا پایا ہے جو علم طب کے لیئے نہایت مفید ہے بعد اس کے اُس نے اپنے پر اور اپنے دوستوں پر اور جانوروں پر جو سب صحیح و تندرست تھے اور دواؤں کی تاثیر کی آزمایش کی اور اُس امتحان سے اُن لوگوں میں دواؤں کی تاثیر کی کچھ کچھ علامتیں پیدا ہوئیں۔ پھر اُس نے اُن دواؤں کو اُن مرضوں میں استعمال کیا جو اُن دواؤں کی تاثیر کے مشابہ تھے تو اُسکو معلوم ہوا کہ وہ دوائیں اُن امراض کے علاج کو مخصوص تھیں اور بالخاصیت اثر کرتی تھیں اُس کو معلوم ہوا کہ دوائے مفرد

بشرطیکہ وہ دوا ٹھیک اُسی مرض کی ہو تو دوائے مفرد ہی سے علاج کرنا مناسب ہے پھر اُس نے اِس طریقہ علاج کو تحصیل کرنا اور زیادہ تر اِس قسم کی دواؤں کو دریافت کرنا شروع کیا اور اِسی طریق پر پھر علاج کرنا شروع کیا رفتہ رفتہ اُسے معلوم ہوا کہ اِس قاعدہ پر علاج کرنیں وہ کچھ غلطی میں نہیں پڑا بلکہ ایک نہایت عمدہ قاعدہ اُسکو رہنمائی کے لیئے ہاتھ آیا ہے اِس واقعہ کو چالیس برس گذرے ہیں کہ وہ تن تنہا تھا اور تمام ڈاکٹروں سے اپنے اصول علاج کی نسبت جھگڑتا اور مباحثے کرتا تھا گو کہ وہ گروہ مریض اُس کے پاس آتے تھے اور شفا پاتے تھے مگر لوگ اُس سے حد سے زیادہ مزاحم ہوتے تھے اور ڈاکٹر لوگ اور دوا بنانے والے اُسکو بے انتہا تکلیف دیتے تھے یہاں تک وہ لاچار ہوکر شہر سے نکل گیا اور آوارہ پڑا پھرا کیا مگر رفتہ رفتہ کیفیت اُس کے معالجے کے اصول کی لوگوں کو معلوم ہوئی - وہ ایسے اچھے طریق سے مریضوں کو اچھا کرتا تھا اور اس ملایمت سے اُن کا علاج کرتا تھا کہ آخرش اپنے بڑھاپے میں وہ پھر کام شروع کرنے کے لایق ہوا بلکہ اُس نے اپنے عین حیات میں یہ بھی دیکھا کہ ہومیاپیتھی کی تاثیر اُسکے ہموطنوں نے تسلیم کی اور اُسکے معالجہ کا اصول ہر ملک میں پھیل گیا - اُس کے پیرووں نے شفاخانے اور دواخانے قایم کیئے اور ہر سال اُسکی کامیابی ترقی پر ہے +

ابتداءً **ھنیمن** تھوڑی تھوڑی دوا نہیں دیتا تھا لیکن اُس کا یہ قاعدہ تھا - کہ ایک مرض کے لیئے ایک ہی دوا دیتا تھا صرف اُس نے تجربہ اور مشاقی سے دوا کی معتاد قلیل کرکے یہ تجویز کی کہ اگر تھوڑی ہی دوا سے مطلب حاصل ہوجاوے تو زیادہ دوا دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اکثر حالتوں میں اُسکو معلوم ہوا کہ مناسب دوا کے زیادہ مقدار دینے سے مرض اَور زیادہ ہوجاتا ہے - پس وہ تھوڑی اور قلیل دوائیں دیتا تھا چنانچہ اِسی وجہ سے ہومیاپیتھی کے معالج قلیل دوا دیتے ہیں اِس کے سوا اَور کوئی وجہ قلیل دوا دینے کی نہیں ہے - اِس قلیل مقدار دوا دینے کے سبب سے ہومیاپیتھک علاج کی ہنسی ہوتی ہے حالانکہ اصل میں اقل قلیل دوا دینے سے ہومیاپیتھی کو کچھ سروکار نہیں ہے - دوائیوں کی معتاد یا قدر شربت کا مقرر کرنا صرف حکیم کے تجربہ کا نتیجہ ہے - کوئی ضروری چیز نہیں ہے - اکثر زیادہ دوا دینا ضرور نہیں معلوم ہوتا - اور جو دوائیں ہومیاپیتھی کی دوائیوں کی مانند تیار کی جاتی ہیں وہ مؤثر ہوتی ہیں - تو اَب اس سے زیادہ اَور کیا چاہیئے +

الوپیتھی اور ہومیاپیتھی - ان دونوں اصولوں کے معالج ایک ہی دوائیں استعمال

کرتے ہیں - لیکن ہومیاپیتھی والے صرف ایک وقت میں ایک ہی دوا دیتے ہیں اور اُسکی وجہ معقول بیان کرسکتے ہیں ۔

ہومیاپیتھی معالجہ کے لیئے جہاں کہیں مریض جاوے گا اُس کے معالجہ میں اُن کے باہم اختلاف عظیم واقع نہیں ہوگا - برخلاف اس کے الوپیتھی والے اکثر بہت سی دوائیں ملاکر مریض کو دیتے ہیں اور شاذونادر کبھی مفرد دوا دیتے ہیں اور اسکی کوئی وجہ ایسی قابل فہم نہیں بیان کرسکتے ہیں جس سے کہ کسی شخص کی سمجھ میں یہ بات آوے کہ کس واسطے وہ تین چار دوائیں مرکب بناکر دیتے ہیں حالانکہ ہر دوا کا اثر مختلف ہوتا ہے اور اگر مریض اچھا ہوجاوے تو وہ یہ بیان نہیں کرسکتے ہیں کہ ان دوائیوں میں سے کس کس دوا کا اثر زیادہ ہوا - یہ امر یقینی ہے کہ یہ سب دوائیاں صحت دینے میں مددگار نہوئی ہونگی بلکہ غالباً اُنھوں نے واقعی دوسری علامات کے پیدا کرنے سے نقصان پہونچایا ہوگا ۔

پس اسی وجہ سے ہومیاپیتھی اور الوپیتھی مختلف علوم نہیں ہیں بلکہ کوئی شخص الوپیتھی کو نہیں سمجھ سکتا ہے - برخلاف اس کے ہومیاپیتھی کے اصول کو ہر شخص عقیل اور فہیم سمجھ سکتا ہے - فرض کرو کہ کوئی شخص علم طب کے سیکھنے کی خواہش کرے اور اپنی قوت مدرکہ کو کام میں لاوے اور الوپیتھی شروع کرے تو بتاؤ کہ وہ کس طرح پر آغاز کریگا اور کس بنیاد پر وہ چلیگا ۔

ہم لوگ دوسرے علوم میں بالکل دوسروں کے تجربہ پر چلتے ہیں لیکن اُن سب کے لیئے ایک بنیاد مضبوط ہے مگر الوپیتھی کے واسطے کوئی بھی بنیاد قایم نہیں ہے - کوئی شایق الوپیتھی کو نہیں سیکھ سکتا ہے لیکن اس سے یہ اخذ نہیں ہوسکتا ہے کہ الوپیتھی کے شایقین بیوقوف ہیں - اصل تو یہ ہے کہ اُن کے لیئے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کہ وہ سبق شروع کریں - برخلاف اس کے ہومیاپیتھی کا یہ حال ہے کہ اس میں شایقین کے آغاز کے واسطے بنیاد بہت چوڑی ہے اور اسی بیخ و بنیاد سے اس علم میں بڑی بڑی شاخیں نکل سکتی ہیں اور جس قدر زیادہ لایق اور ہوشیار طبیب ہووے گا اُس کے مریض اُسیقدر زیادہ تر اُسکے معتقد ہوجاوینگے اگر اُن کو یہ معلوم ہوجاوے کہ وہ کسی اصول کا پابند ہے ۔

اب میں آپکو اس سے زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا اور بالآخر آپکو اس شفاخانہ کے قایم ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں مگر ہر ایک صاحب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ کبھی کبھی اپنی فرصت کے وقت میں یہاں تشریف لاکر بیماروں اور بیماریوں کا حال اور یہ بات کہ کیسی بیماریاں کسطرح پر سہل اور خوشگوار علاج سے آرام پاتی ہیں ملاحظہ فرمایا کریں تاکہ جو کچھ مینے کہا اُسکو آنکھ سے دیکھکر خود آپکو یقین اور تجربہ حاصل ہووے ۔

۸

جواب مضمون

سویلزیشن یعنی شایستگی اور تہذیب پر

سویلزیشن انگریزی لفظ ہے جو مشتق ہے سوس یا سوئیٹس سے جس کے معنی ہیں شہری یا شہر کے اور اصل میں یہ لفظ مشتق ہوا تھا کوٹس سے جسکے معنی ہیں مجمع یا اتفاق کے اور وجہ اس اشتقاق کی یہ ہے کہ شہروں کی بنیاد ابتداءً اس طرح پر قایم ہوئی کہ بہت سے آدمیوں نے ایک مقام پر ایسے عہد وپیمان کے ساتھ مل جُل کر رہنا اختیار کیا جو اُن کے باہم خود بخود اس نظر سے قایم ہو گئے کہ اُن باشندوں کے وہ قدرتی اور باہمی حقوق محفوظ رہیں جو اُن کی جان ومال کی حفاظت اور ذاتی آزادی سے متعلق تھے ؛

سویلزیشن یعنی شایستگی کے لفظ کو عام اصطلاح میں ایسا لفظ سمجھنا چاہیئے جس سے اعلےٰ ترقی یافتہ اور شایستہ قوموں کی حالت اُن قوموں کے مقابلہ میں جن کو وحشی یا نصف وحشی سمجھا جاتا ہے سمجھ میں آسکے۔ پس اس معنی کے اعتبار سے ہم یورپ کی اعلیٰ قوموں کو شایستہ اور تربیت یافتہ کہتے ہیں اور چینیوں و تاتاریوں کو اُس سے کم شایستہ خیال کرتے ہیں اور شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں اور آسٹریلیا والوں اور کافروں یعنی جنوبی افریقہ والو اور قطبی حصّہ کے رہنے والوں اور جنوبی امریکہ کی مختلف جنگلی قوموں کو نہایت کم شایستہ جانتے ہیں ؛

سویلزیشن یعنی شایستگی کے لفظ کی اسقدر تمہید کے بعد اب ہمکو اوّل اس امر پر بحث کرنا چاہیئے کہ وہ قدرتی اور ملکی اور مذہبی اسباب کون کون سے ہیں جو انسان کی شایستگی کی ترقی کے موافق یا مخالف ہیں ؛

لیکن اس امر پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ شایستگی کی کچھ کچھ عام کیفیت اس مضمون کے پڑھنے والوں کے ذہن نشین کر دیجاوے چنانچہ اسی غرض سے ہم یورپ کی موجودہ حالت کو ایک سرسری طور سے بیان کرتے ہیں اور یہ حالات اُس زمانہ سے متعلق ہیں جو ہمارے زمانہ کے قریب تک ختم ہوتا ہے اور جس میں وہ زمانہ شامل ہے جس کا

دنیا کی قدیم دارالسلطنت یعنی قدیم روم کے زوال سے ہوا اور انتہا اُسکی اُس وقت تک شمار ہوتی ہے جبکہ ۱۴۵۲ء میں چھاپہ کا فن ایجاد ہوا *

روم کی سلطنت جس وقت تہ و بالا ہونے کو تھی اُسی وقت عیسائی مذہب کو نشو و نما حاصل ہوا۔ پس جو بیہودہ عیاشی کی باتیں کفار کے مذہب میں رائج تھیں اور اُن کی جو اصلاح عیسائی مذہب کے ذریعہ سے ہوئی اور جو نئی کیفیت اس مذہب کی بدولت اُسوقت لوگوں کے عادات اور اطوار میں پیدا ہوئی اور علاوہ اس کے یونانیوں اور رومیوں کے علم و فضل اور شایستگی و تربیت کے اثر سے جو تبدیلیاں دنیا کے عام حالات میں واقع ہوئیں اور علٰے ہذالقیاس اور اسی قسم کے امور پر اُن لوگوں کو اپنی توجہ مصروف کرنی چاہیئے جو شایستگی کی تحقیق کے درپے ہیں *

ایسے چار سو برس کے انقلابوں کے بعد جن کے تدارک میں روم کی سلطنت کی تمام عقل اور دانائی بالکل صرف ہوگئی آخر کار وہ سلطنت بالکل تباہ ہوگئی اور یورپ پر چاروں طرف سے وحشی قوموں نے حملہ کیا یعنی ہنز کی قوم اور وانڈلس اور وزی گاتھس اور آسٹرا گاتھس اور لمبارڈس کی قوموں نے یورش کی اور اُن کے آپس میں بھی برابر جنگ و جدل رہی کبھی کوئی قوم غالب آئی اور کبھی مغلوب ہوئی۔ انجام ان دو سو برس کی خونریز اور سخت لڑائیوں کا یہ ہوا کہ مذکورہ بالا نصف وحشی فتحمندوں میں مُلک تقسیم ہوگیا۔ اور اُس وقت سے رومیوں کے قوانین اور طور و طریق اور رسم و رواج کی جگہ یورپ کے اُن نئے فتحمندوں کے رسم و رواج قایم ہوگئے *

خاص عیسائی مذہب بھی وحشیوں کے رسم و رواج کے مقابلہ میں مغلوب ہوگیا اور لوگوں میں سے جس قدر رومیوں کی شایستگی اُٹھتی گئی اُسیقدر بیہودہ خیالات جہالت مستحکم اور شایع ہوتے گئے اور جب شمالی قومیں اور گوشہ شمال و مشرق کی قومیں رومی سلطنت کے قدیم صوبوں میں آکر آباد ہوئیں اُس کے بعد چار سو برس آیندہ میں ہمیشہ شایستگی کو زوال ہوتا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ بالکل مٹ گئی *

جو زمانہ چھٹی صدی کے آخر سے شروع ہو کر چودھویں صدی کے آغاز تک ختم ہوتا ہے اُس سے جو تاریک زمانہ کا خطاب منسوب کیا گیا ہے وہ اُس زمانہ کے حال کے بالکل مناسب ہے۔ اس دراز اور بے رونق زمانہ میں انگلستان کے بادشاہ **الفریڈ اعظم** اور فرانس کے شہنشاہ **شارلیمین** نے اپنی اپنی قلمرو میں علم اور ہنر کو دوبارہ شگفتہ اور قایم کرنے میں کوشش کی لیکن وہ دونوں اُس میں بہت کم کامیاب ہوئے بلکہ یوں

کہنا چاہیئے کہ بالکل نہیں ہوئے - اہل عرب کی قوت اور شان وشوکت کی بنیاد اُن کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے نظیر فہم وفراست اور عجیب وغریب عقل ودانائی سے بہت خوبی کے ساتھ قایم ہوئی اور اُس علم وہنر کے حق میں جس کی قدر یورپ سے اُٹھ گئی تھی البتہ اہل عرب بڑے مربی بنے ؛

اس کے بعد یورپ کے عیسائی مجاہدین نے مشرق میں جانے سے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں چنانچہ مقام قسطنطنیہ جو اُن علوم وفنون اور شایستگی کا خزانہ مشہور تھا جو رومیوں کے زوال سلطنت کے بعد باقی رہی تھی وہ اُن مجاہدین کے حق میں ایک بڑی زرخیز کان ہوگیا لیکن باایں ہمہ جو کچھ علم اور معلومات وہ لوگ یورپ میں اپنے ہمراہ لائے اُسکے سبب سے لوگوں کے طور وطریق میں بہت تھوڑی تبدیلی واقع ہوئی لیکن بعد اُس کے اس سبب سے خصوصاً اُس تبدیلی میں زیادہ ترقی ہوئی کہ ہر سلطنت میں جو بڑے بڑے امیر اور جاگیردار اس شرط سے اپنی اپنی جاگیروں پر قابض ہوتے تھے کہ بادشاہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے رہیں وہ دستور بالکل جاتا رہا تھا اسی طرح وہ ہزارہا چھوٹے چھوٹے جاگیردار بھی گویا غلامی سے آزاد ہوگئے جو بڑے جاگیرداروں کے تحت میں اُسی شرط سے بسر کرتے تھے - مجلسیں جو سلطنت کی کارروائی کے واسطے مقرر ہوئیں اُن کے ممبر منتخب کرنے کا استحقاق شہروں اور ضلع کے لوگوں کو عطا ہوا - تجارت کو بھی رونق ہوئی اور آبادی بھی بہت بڑھ گئی اور جا بجا شہر بکثرت آباد ہوگئے - داد رسانی کے طریقوں میں بھی بہت سی اصلاح واقع ہوئی اور علیٰ ہذا القیاس اُن خوبیوں کی ترقی سے جو معاشرت سے علاقہ رکھتی ہیں علوم وفنون کو بھی ترقی ہوئی چنانچہ سنہ ۱۳۰۲ء میں بحری قطب نما ایجاد ہوا جس کے سبب سے جہاز رانی کا شوق اس نظر سے لوگوں میں پیدا ہوگیا کہ دنیا کے ملکوں کی چھان بین کریں اور شوق کے سبب سے وہ دلاوری اور ہمت بھی لوگوں میں ظاہر ہوئی جو مذکورہ بالا سفر کے واسطے درکار تھی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کو نہایت وسعت حاصل ہوئی اور دنیا کی قوموں میں باہم آمد ورفت کا سلسلہ قایم ہوگیا ؛

چھاپہ کے فن کے ایجاد ہونے سے خیالات کے اظہار کا بہت سہل اور عمدہ طریقہ پیدا ہوگیا اور اُس کی بدولت علم بہت خوبی کے ساتھ شایع ہوا اور درحقیقت اس پچھلی فتح سے جو انسان کی جودت طبع نے حاصل کی یعنی چھاپہ کا فن ایجاد کیا - شایستگی کی واقعی ترقی کی تاریخ قایم کرسکتے ہیں اور اگرچہ اُس کے بعد بھی ہزارہا قسم کے موانع شایستگی کی ترقی میں پیش آئے لیکن وہ سلسلہ ہرگز درہم برہم نہ ہوا اور اب تک ہمیشہ اُسکا میلان

اُسی جانب کو ہے جسپر آخر کار انسان کی ترقی انتہا مرتبہ تک پہونچے گی ۔

اُن ذریعوں کا بیان جن سے شایستگی کو ترقی ہوتی ہے

پہلے ہمنے یہ بات بیان کی تھی کہ علی شایستگی کا یہ حال ہے مگر اب ہم اُن ذریعوں کو لکھتے ہیں جن سے شایستگی کو ترقی حاصل ہوتی ہے چنانچہ اُن ذریعوں میں پہلا ذریعہ آدمی کی ذات ہے اس لیئے کہ اُس کے اعضاء اور قوٰے بہ نسبت اَور ذی روح مخلوقات کے افضل اور عمدہ ہیں اور اُس کو صرف یہی فضیلت نہیں ہے بلکہ جو کام وہ اپنی عقل کی معاونت سے کرسکتا ہے اور اپنے ایسے ہاتھوں سے لے سکتا ہے جو اُس کے بڑے مطیع کارپرداز ہیں اُن کی وجہ سے اُسکو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے اور ان دونوں ذریعوں کی بدولت وہ اَور مخلوقات میں سے اپنے آپ کو نہایت راحت و آرام کی زندگی میں رکھ سکتا ہے اور گویا اپنی ذات کو ایک مصنوعی وجود بنا سکتا ہے اور جو مرتبہ اُس کی قدرتی حیات کا ہے اُس کی نسبت وہ اُسکو بہت زیادہ آسایش دے سکتا ہے اور وُہی اسباب کے لائق ہے کہ اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو شگفتہ کرے اور ترقی دے ۔

آدمی کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ اُسکو اپنے ہمجنسوں کی صحبت کی طرف میلان طبع ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ گو ہر متنفس اپنی حیات اور قوت کے لحاظ سے ایک جدا گانہ اور معین احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا مگر وہ تمام اوصاف جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہیں ہمیشہ انسانوں کی ایک جماعت ہی میں متحقق ہوتے ہیں ایک متنفس اُن سب اوصاف کا مظہر نہیں ہوسکتا ۔

پس آدمی کو اپنی ترقی اور کامل شایستگی کے واسطے بہت سے مستحکم ذریعے حاصل ہیں اور اُن کی اولاد اپنے آباء و اجداد کی محنتوں اور تجربوں سے بہت کچھ مستفید ہوتی ہے نظر بریں یہ بات بغیر کسی تامل کے تسلیم کی جاتی ہے کہ شایستگی اور انسان کی عقل کی وسعت کے لیئے کوئی حد مقرر نہیں ہے ۔

مگر باوصف اس فضیلت کے مطلقاً جو انسان کو بہ نسبت اور مخلوقات کے حاصل ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اور ولایتیں ترقی اور شایستگی کے مراتب میں مختلف الاحوال ہیں تو خواہ مخواہ اِس اختلاف کی وجہ دریافت کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے اور خیال آتا ہے کہ بعض قومیں ابتک نصف وحشت کے دلدل اور دقت میں کیوں پھنسی ہوئی ہیں اور بعض قومیں باوجود ہمت شکن اسباب اور قباحتوں کے

کیوں ایسے عمدہ کام کر رہی ہیں اور کس طرح ایسی قوی مزاحمتوں کی مدافعت پر قادر ہوگئیں ٭
اب علاوہ آدمی کے اعضا اور قویٰ کے جس خطہ میں وہ بستا ہے وہ خطہ بھی اسکے لیئے ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس کے سبب سے یا اُسکی عقل کے مدارج کو ترقی حاصل ہوتی ہے یا اُسکی مزاحمت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں مگر اس بڑے ذریعہ کی تحقیق کامل طور پر اس صورت سے ہوسکتی ہے کہ اُسکو مندرجہ ذیل پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاوے ٭

اوّل - وہ قدرتی اسباب جو شایستگی کے لیئے نہایت مناسب ہیں ٭
دوم - اسبات کی ضرورت کہ قوموں کے باہم آمد و رفت ہونی چاہیئے ٭
سوم - مذہبی امور کا شایستگی کی نسبت اثر ٭
چہارم - وہ تعلقات جو حکومتوں کو اسباب شایستگی کے ساتھ ہیں ٭
پنجم - صلاحیت مختلف قوموں کی شایستگی قبول کرنے کے واسطے ٭

اوّل - اُن متعدد قدرتی اسبابوں کا ذکر جو شایستگی کے حق میں مفید ہیں

اوّل - اُن میں سے ملکوں کی قسم اور حالت کی کیفیت بیان کی جاتی ہے بادی النظر میں بلا شُبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن زرخیز خطوں میں کھانے پینے کی بہت سی چیزیں خود رو میسر آتی ہیں وہاں بہت لوگ آباد ہو جاتے ہیں اور اُن کو اعلےٰ درجہ کی شایستگی حاصل کرنے کے واسطے بہت سی آسانیاں ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں عموماً ایسا نہیں ہے دیکھو جنوبی ایشیا اور وہ جزیرے کیسے زرخیز ہیں جن میں آفتاب کی حدت حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر باوصف ایسی قدرتی بخششوں کے کاہلی اور جہالت اور جور و ستم وہاں حد سے بڑھکر ہے چنانچہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں اس امر کی تصدیق کے واسطے بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ ایسے ملکوں کے آدمیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے پاس ضروریات زندگی کثرت سے مہیا دیکھتے ہیں تو وہ اپنی اوقات ایسی بسر کرتے ہیں جیسیکہ دنیا میں اَور خود رو نباتات ہے یا جیسے وہ جنگلی درخت ہیں جو خود پیدا ہوتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں۔ البتہ دریائے نیل کی مٹی باوجودیکہ زرخیز ہے مگر اُس نے مصریوں کے دربار کی شان و شوکت اور جاہ و حشمت بھی خوب دیکھی ہے اور ایسی ہی میسوپوٹیمیا یعنی شام کے میدانوں کی کیفیت ہے کہ اُن میں دریائے فرات اور دجلہ

آبپاشی ہوتی ہے لیکن کسی زمانہ میں وہ بڑی بڑی سلطنتوں کے موقع تھے اور اُنھیں میں شہر بابل اور نینوا اور پالمیرا واقع تھے اور ہمکو یہ بھی بات یاد آتی ہے کہ قدیم ایران کی سلطنت کیسی کچھ قوی تھی اور علےٰ ہٰذالقیاس دریائے گنگ کے زرخیز میدانوں میں ہندوستان کی کیسی کیسی عجیب و غریب پیداوار ہے اور علاوہ ان کے چین اپنی خوش خلقی اور اپنے علم و ہنر کے سبب سے کیسی مشہور ہے۔ پس اِن مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی مُلک کی زرخیزی اور خوبی اگر اُسکی شایستگی کے واسطے کوئی لازمی سبب نہیں ہے تو اُس کی شایستگی کے مزاحم بھی نہیں ہے ؀

حقیقت میں اگر کسی زمین کی قسم اور خاصیت اُس کی ترقی اور شایستگی کی مانع ہو جیسے کہ تاتار اور افریقہ اور عرب کے ریگستانی بیابان ہیں یا کسی مُلک میں ایسے جانور کیا نہوں (جیساکہ کولمبس کے دریافت کرنے سے پہلے نئی دنیا کا حال تھا) جن کے ذریعہ سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے تو وہاں کے آدمی یقیناً اپنی حالت کو ترقی دے سکتے ہیں اور اُن کی تعداد بڑھ سکتی ہے چنانچہ اسیطرح سے شمالی یورپ کو مثل شمالی امریکہ کے اوّل جنگلوں سے پاک وصاف کیا اور پھر اُس میں زراعت کی گئی ؀

یورپ کی سرد ولایتیں باوجودیکہ اُن میں نہایت سخت سردی ہے ایسی ہیں کہ ہر قسم کی تحقیقات اور طرح طرح کے فنون اور صدہا صنعتیں بہ نسبت جنوبی مُلکوں کے اُن میں زیادہ ظہور میں آئیں اور یہ ایسی بات ہے کہ اُس کے باشندوں کی دلاوری اور عقل و ہمت اور استقلال بخوبی اُس سے ثابت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے مقابلہ میں جنوبی مُلکوں کو یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ گرم ولایتوں کی یہ خاصیت ہے کہ اُن کے باشندے اوصاف مذکورہ بالا میں دلی جوش خروش نہیں رکھتے اور اُن کو حد سے زیادہ شوق کسی چیز کا پیدا نہیں ہوتا ؀

دوم۔ مختلف قوموں کے باہم آمد و رفت کی ضرورت

جو قومیں درمیان میں بڑے بڑے قطعات کے حائل ہونے سے باہم مل جل نہیں سکتیں یا کسی بڑے قطعہ کے وسط میں آباد ہیں اور اُن کو باہم آمد و رفت کرنے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے میسر نہیں ہے کہ قافلوں میں ملکر سفر کریں اور ایسی قومیں ایشیا کے

بالائی حصہ اور افریقہ کے وسط میں اکثر رہتی ہیں چنانچہ وہ ایک دوسرے سے آپس کے اُن خیالات کو ظاہر نہیں کرسکتیں جن کو اُن دونوں کے معاملات میں دخل ہے اور اُس عقلی روشنی کے حاصل کرنے سے محروم ہیں جو دونوں کے باہم مقابل ہونے سے حاصل ہوسکتی اور جس کے بغیر کوئی قوم شایستگی کی حالت پر نہیں پہونچ سکتی۔ پس ایسی قومیں یقیناً ایک حالت معینہ پر پہونچکر رہ جاتی ہیں اور ان کی حالت کو شایستگی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً جیسے وہ لوگ ہیں جن کی گذران صرف مویشیوں کے دودھ پر ہے اور چرواہوں کی طرح اپنی اوقات بسر کرتے ہیں جب تک وہ اپنی اس حالت کو ترک نہ کریں ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اُنکی عقل و دانش کو ترقی نصیب ہو جیسے سِتھیا والے اور تاتاری تھے اور یا جیسیکہ بدّو اور افریقہ کے وہ مسلمان جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یا جیسے جا لوتی ہیں جو ہمیشہ نصف وحشی معلوم ہوتے ہیں۔ یا جو لوگ تبّت اور بھوٹان اور کوہ قاف اور کوہ آماس اور کوہ اٹلاس میں یا ہمیشہ بمنزلہ محبوسوں کے رہکر ایک وحشیانہ حالت میں رہتے ہیں۔ اور جو لوگ افریقہ کے وسط میں اور دونوں امریکہ کی وسیع ولایتوں میں رہتے ہیں ان کا حال تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ اپنی اس وحشیانہ حالت سے کبھی نجات نہ پاویں گے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم کی شایستگی کیواسطے دوسری قوم کے باہم اُسکی آمد و رفت نہایت ضرور ہے چنانچہ بحر قلزم کے کناروں اور جزایر متعلقہ یونان اور قسطنطنیہ میں جو آمد و رفت ہے یا یورپ و ایشیا و افریقہ اور جزایر فرنگستان کے باہم جو آمد و رفت ہے اُسکے سبب سے ان جملہ مقامات میں نہایت درجہ کی شایستگی پھیلی ہوئی ہے اور دریا ے راہن اور مین اور شیلٹ اور دریاے ایلب کے ذریعہ سے جو چیزیں انسان اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے وہ سب ایک مُلک سے دوسرے ملک میں جاتی ہیں بلکہ اُن کے ساتھ ہر قوم کے خیالات اور وضع و اطوار اور نئی نئی باتوں کا اثر بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہونچتا ہے اور ان کے سبب سے نئے نئے شوق اور نئی نئی خواہشیں اور ضرورتیں قایم ہوتی ہیں اسی طرح جنوبی ہندوستان کے کناروں پر شایستگی رونق پذیر ہے مگر شمالی حصے اسکے ابتک اپنی قدیمی حالت میں پڑے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی طبیعتیں ہنوز جنگجوئی اور خونخواری کی جانب مائل ہیں جیسے مونگولیا نسل کی قومیں تھیں جو کسی زمانہ میں ہندوستان پر مسلط ہوگئی تھیں مگر پھر اُسی ملک کے باشندوں میں مِل جُل کر مہذب بنگئیں جن پر اُن کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ پس گو کسی مُلک کی شایستگی کسی وحشی قوم کے حملوں سے معدوم ہو جاوے جیساکہ متوسط زمانوں میں یورپ کا حال ہوا تھا مگر انجام کار اُس ملک کی خاک سے بھی وُہی اثر پیدا ہو جاتا ہے

چنانچہ فی زماننا اگر اہل یورپ کسی غیر مہذب ملک میں بھی جا بسیں تو اُن کے واسطے وُہی نعمتیں موجود ہو جاتی ہیں جو اُن کو یورپ میں حاصل ہیں - جو قومیں جہاز راں ہیں ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں شایستگی قبول کرنے یا دوسری قوم کو شایستہ بنانے کی صلاحیت بہ نسبت اَوروں کے زیادہ ہے چنانچہ جزائر ٹائر اور فنیشیا اور کارتھیج اور یونان کے قدیم باشندوں سے لیکر وِنیشیا اور جینوا کی وہ قومیں جو متوسط زمانوں میں گذری ہیں اور زمانہ حال کے انگریز اور ہالینڈ کے باشندے اور فرانسیس اور امریکہ کے انگریز سب شایستگی پھیلانے کے واسطے نہایت عُمدہ ذریعہ ہوئے ہیں ؛

سوم - شایستگی پر مذہب کا اثر

قوموں کی تاریخ کے شروع زمانہ سے دیوتاؤں کی پرستش کا مذہب قایم تھا جنکے اعتقادات کی اصلیت ابتدا میں فنیشیا اور مصر کے کاہنوں سے قایم ہوئی اور اُنھیں لوگوں نے اسکو یونانیوں میں پہونچایا اور اُس زمانہ سے پہلے جس میں یہ اعتقاد یونانیوں سے آدمیوں کو پہونچا یونانیوں نے اسکو بڑی رونق دی تھی - پھر رومیوں نے نہایت کثرت سے اپنے دیوتا قرار دیئے چنانچہ جس قدر ان میں بُرائیاں زیادہ ہوئیں اُسیقدر اُن کے دیوتاؤں کی تعداد زیادہ ہوئی ؛

دیوتوں کی پرستش کا مذہب ایک طول و طویل قصہ ہے جو شاعری اور ولولوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ ایک ایسی چیز ہے جس سے جو انسان کے دلی خیالات اور ارادوں اور اُن عجایب چیزوں سے مرکب ہے جو خدا کی شان سے متعلق ہیں اسی مذہب کی بدولت اُن شاعروں کی طبیعت میں خیال بندی کا ولولہ پیدا ہوا اور ایسی قوت حاصل ہوئی جس کے سبب سے اُنھوں نے ایک خیالی دنیا قایم کی اور اسی قوت کے ذریعہ سے وہ عمدہ عمدہ فنون ایجاد کیئے گئے جن کے سبب سے مصر اور کالڈیا اور یونان اور اٹلی کو نہایت زیب و زینت حاصل ہوئی اور اُنھیں فنون سے وہ شایستگی ثابت ہوتی ہے جو کسی زمانہ میں اُن ملکوں کے اندر ہوگی ؛

بدھ لوگوں کے مذہب سے یا فوٰ نامی حکیم کے مذہب کی بدولت تمام مشرقی ایشیا میں جو دریائے گنگ کے پار ہے اور چین میں صرف وُہی مذہب پایا جاتا ہے جس میں مادیات کو قدیم مانا ہے اور در پردہ اُنھوں نے خدا کے وجود سے انکار کیا ہے اور گو اس مذہب کے لوگ کسی قسم کے فہم و فراست رکھتے ہوں مگر اصل یہ ہے کہ اُن کے ملکو نمیں

شایستگی ترقی پذیر نہ ہوئی ٭

اس بات کا بیان کرنا اس موقع پر فضول ہوگا کہ عیسائی مذہب کا اثر لوگوں پر کسقدر ہوا مگر اسقدر کہنا مناسب ہے کہ گو اُس کے اصول میں سادگی اور انکسار ہے مگر اس کے ظہور کے بعد لوگوں کے دلوں میں اُس مذہب کے سبب سے شان و شوکت کا بڑا شوق پیدا ہوا یہاں تک کہ اُس کی پرستش کے ارکان میں بھی اس نمود کا رواج ہوگیا۔ چنانچہ اُس شوق کے پورا کرنے میں بہت کچھ صرف ہوتا تھا مگر یہ بات ضرور تھی کہ اُس زمانہ کی خرابیوں کی اصلاح کے لیئے وہ شوق نہایت عُمدہ ذریعہ تھا ٭

مذہب اسلام کی نسبت اگرچہ بہت لوگ شایستگی کی مخالفت کا دھبہ لگاتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے در اصل یہ مذہب کسی طرح شایستگی کے منافی نہیں ہے البتہ اسکی نسبت صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف مذہبی مصلحت سے عمدہ عمدہ فنون کے جاری کرنے کی کچھ تائید نہیں کی اور گو یہ بات تھی کہ وہ اُن فنون کی قدر و منزلت کو خوب جانتے تھے مگر اُن کو یہ خیال تھا کہ اگر اہل عرب کی طبیعتیں اس طرف مائل ہوئیں تو بسبب اس کے کہ وہ اپنے ذاتی جوش و خروش سے مجبور ہیں یقیناً بُت پرستی اختیار کرلینگے۔ چنانچہ اسیوجہ سے عمدہ عمدہ فنون کی اشاعت مشرق کے اُس بڑے مصلح نے روا نہ رکھی لیکن اپنے اُن احکام کی بدولت جن سے شراب خواری بلکہ جملہ مسکرات اور قماربازی کی ممانعت ہے جس قدر فائدہ اُنھوں نے شایستگی کو پہونچایا اُس نے اُن نقصانوں کی بہت کچھ تلافی کردی جو عمدہ فنون کی ایسی تائید نہ ہونے سے ہوئی تھی جیسے کہ میکونس نے کی تھی۔ اگر عیسائی مذہب کے اصول کے بموجب ویسی ہی ممانعت اُن بُرائیوں کی کی جاتی تو اسباب سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا تھا کہ عیسائی مذہب کے لوگوں کی اور ان میں بھی خصوصاً کمتر درجہ کے لوگوں کی طبیعت اُس سے بہت کچھ مخالف ہوتی جیسے کہ ان کی بدقسمتی سے اب ہے ٭

چہارم۔ اُن تعلقات کا بیان جو حکومتوں کو شایستگی سے ہیں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حاکم کو جو رعایا پر ایک کامل اور غیر محدود اختیار حاصل ہوتا ہے اور جو چیزیں رعایا کی ذات سے متعلق ہیں اُن سب پر اسکو تصرف کامل حاصل

ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسا کوئی اپنے باپ دادے
کے ترکہ پر پس اس صورت میں کوئی شخص گو اس پر ہمیشہ یکساں ظلم نر ہے اپنی زندگی کو اسطرح
بسر نہیں کرسکتا جس سے وہ مرتبہ کمال کو پہونچ سکے اس لیئے کہ ہمیشہ اُس کے دل میں
اپنے حاکم کی طرف سے ایک ایسا خطرہ لگا رہتا ہے جو اُسکی آزادی کا مانع ہوتا ہے اور وہ جانتا
ہے کہ آخرکار میں اس حاکم کا شکار اور غلام بنوں گا اور ایسی سلطنتوں میں جہاں بادشاہ بالکل
خودمختار ہوتا ہے یہ دستور ہے کہ جو کاریگر کوئی عمدہ صنعت یا کوئی ہنر ایجاد کرے بادشاہ وقت
اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے چنانچہ ایسی سلطنت کا شاعر بھی اپنی خیال بندی میں اُسی کا
تابع ہوتا ہے اور بیچارہ کاریگر بھی اپنی تمام محنت و مشقت کو اُسی کے فایدہ کے واسطے کرتا ہے
غرضکہ جب حاکم کو ایسی علدرآمد سے لطف آتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے اختیار کو اسی طرح سے
صرف کرتا ہے۔ پس ایسی صورتوں میں ذہین اور دانشمند لوگوں کی آزادی اور جان کی حفاظت
بالکل جاتی رہتی ہے جبکہ حاکم کو اُن کی نام آوری اور شہرت سے حسد ہونے لگتا ہے چنانچہ
جب رومیوں میں شہنشاہی قایم ہوئی تو غلام بنانے کے دستور سے اور آزادی کے جاتے
رہنے سے اُن کی شایستگی بالکل معدوم ہوگئی اور جس قدر ملکی انقلاب نئے خیالات اور
دلی ولولوں سے پیدا ہوتے ہیں اُن کے اندیشہ سے ظالمانہ حکومتوں کا یہ ایک دستور ہوگیا
ہے کہ وہ لوگوں کی عقلی ترقی کی مزاحم بن جاتی ہیں اور اُن کو ایک متوسط حالت میں رکھنا پسند
کرتی ہیں جیسا کہ خاص چین میں اُن آبائی اجدادی رسوم کا چھوڑنا ایک بڑی خطرناک بات ٹھہری
ہوئی ہے جو قدیم سے وہاں چلی آتی ہیں باوجودیکہ اُن لوگوں کی دانشمندی اور صناعی تمام دنیا میں
مسلم ہے اور ایجاد کی طرف اُن کے طبایع کا میلان ایک شہرۂ آفاق بات ہے ایسے ہی مصری
لوگ اپنے بتوں پر رنگ لگانے اور تصویرات کے بنانے میں اُنھیں قدیمی طریقوں کے
پیرو ہیں جو وہاں سلف سے چلے آتے ہیں اور اپنی طرف سے اُن میں کچھ کمی بیشی کے مجاز
نہیں ہیں اور صرف یہی ایک مزاحمت نہ تھی بلکہ پیشہ بھی وہاں کے خاص خاص خاندانوں میں
اسی طرح چلے آتے ہیں جیسے کسی کی ایسی موروثی جائداد جسکی کاشت میں نہ کچھ ترقی ہو نہ تنزل
اور مصر میں ذاتیں بھی اسی طرح سے مقرر تھیں جیسے اب ہندوستان میں۔ چنانچہ وہاں کاشتکاروں
اور سپاہیوں کا کوئی فرقہ بھی قایم نہ تھا بلکہ ہر قسم کے کاریگروں اور محنتیوں کے گروہ قایم ہوگئے
تھے اور وہ لوگ اپنی تمام زیست کو اُسی تاریک حالت میں بسر کرتے تھے جو اُن کیواسطے
مقرر کردی گئی تھی یہاں تک کہ اُسی میں پیدا ہوتے تھے اور اُسی میں مرتے تھے پس اس سے
بخوبی ثابت ہوگیا ہے کہ انسان کا مختلف قوموں پر تقسیم ہونا بھی اُسکی شایستگی کا بڑا مانع

ہے اور ہر زمانہ میں جہالت اور کم ہمتی ہی اسباب کا باعث ہوئی ہے کہ انسان دوسرے انسان کا غلام بنے یا اُسکا ہر طرح سے مطیع رہے حالانکہ شایستگی اُسوقت تک گئے حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ انسان کو اپنے خیالات ظاہر کرنے اور انکے موافق عملدرآمد کرنے میں آزادی حاصل نہ ہو اور اگر یہ بات مسلم ہے کہ قدیم یونان اور روم میں علم اور فن کی ترقی اس وقت ہوئی جبکہ وہ نہایت ترقی پر تھی اور اہل اسلام اپنی ان فتوحات کے زمانہ میں نامآور ہوئے جو خاندان بنی فاطمہ اور عباسیہ کے عہد میں اُن کو حاصل ہوئی تھیں اور ملک اٹلی میں نیا زمانہ علم و فن کا اُس وقت سے قایم ہوا جبکہ متوسط زمانوں میں گوالف اور گبیلان کے خاندان کے باہم لڑائی جھگڑا ہوا تھا اور سولھویں صدی میں مذہب اور اخلاق کی وہ مشہور اصلاح ہوئی جس میں مذہبی آزادی کو اُس ظلم پر غلبہ ہوا تھا جو پوپ نامی ایک شخص کے سبب سے پھیل رہا تھا تو اب شایستگی کے یوماً فیوماً ترقی پذیر ہونے سے اس بات کا تسلیم کرنا چاہیئے کہ آزادی اور خودمختاری کو بھی ایک روز ضرور فتح حاصل ہوگی ؛

انگلستان اور فرانس اور جرمنی اور اٹلی کی چھوٹی چھوٹی جمہوریہ سلطنتوں یا ستہائے متفقہ میں تجارت اور فنون کی اشاعت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ان سلطنتوں میں عقلی امور کی نہایت درجہ ترقی ظاہر ہوئی ہے اور عمدہ عمدہ کاموں کی اشاعت میں بڑی بڑی کوششیں لوگوں کی طرف سے ظاہر ہوئیں اور کمال تحقیق ان کی بدولت عمل میں آئی ؛

پس اُن سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ شایستگی کی ترقی اُسی آزادی کے مناسب ہوا کرتی ہے جو گورنمنٹوں کی طرف سے اُسکی رعایا کو عطا ہو خواہ اس میں امریکہ کی حالت پر لحاظ کیا جاوے خواہ قدیم یورپ کی سلطنتوں پر اور بلاشبہ جو سلطنتیں علم و دانش کی ہیں وہ بیہودہ ریزہ لوگوں کو دیکھ نہیں سکتیں چنانچہ آجکل کے نہایت خودمختار بادشاہوں کو بھی اس بات کی جرأت نہیں رہی کہ وہ انسان کی عقل اور ذہانت کو اپنی بیجا قید اور بے آزادی نہ حاصل کرنے دیں ؛

پنجم - انسان کی جملہ نسلوں میں شایستگی قبول کرنے کی صلاحیت

اکثر ذہین مورخوں نے اس بات کے ثابت کرنے میں کوششیں کی ہیں کہ حبشیوں کی نسل میں بھی شایستگی قبول کرنے کی ایسی ہی صلاحیت ہے جیسی کہ انسان کی اور

نسلوں میں ہے اور وہ بھی اَور نسلوں کی ہمسری کرسکتے ہیں مگر ہماری دانست میں اُن کی کوششیں مفید نہیں ہوئیں اور اصل یہ ہے کہ یہ مورخ اس بات کے تو بڑے موئد ہیں کہ کالے رنگ والے ہر طرح پر گورے رنگ والوں کی ہمسری کرسکتے ہیں مگر جب اُن سے یہ بات دریافت کی جاتی ہے کہ کالے رنگ والے عقل و دانائی میں کس وجہ سے نسبت ان کے کم ہیں تو وہ کچھ نہیں بیان کرسکتے یعنی یہ مورخ اس بات کو نہیں بیان کرسکتے کہ اُن جاہل اور تاریک دروں قوموں کی دوامی وحشت کا کیا سبب ہے جو تمام افریقہ میں آباد ہیں اور جو افریقہ کی اُن باقیماندہ قوموں کے مقابلہ میں مثل مُسلمانوں اور اتھیوپیہ والوں کے ہیں جن کی اصل سفید رنگ کی قوموں سے ہے اور جن کو اب شایستگی میں تھوڑی بہت امتیاز حاصل ہے - افریقہ میں بعض ایسے مقامات ہیں جو ثمردار درختوں سے نہایت آباد ہیں اور اِس وجہ سے وہاں گرمی کی برداشت ہوسکتی ہے اور اُن مقامات میں متعدد دریا اور بہت سی جھیلیں ہیں جن میں سے ایک جھیل کا نام جھیل اشاو ہے اور وہ اس قابل ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ملک میں آمد و رفت ہوسکتی ہے اور ایک ملک کے مختلف باشندے باہم اپنے اپنے مقامات کی پیداوار کا ایک دوسرے سے مبادلہ کرسکتے ہیں اور تجارت کو ترقی ہوسکتی ہے علاوہ اس کے حبشی قوموں کو ایک مدت سے خودمختاری اور فرصت بھی حاصل ہے مگر باوجود ان سب باتوں کے اُس آزادمنش قوم نے اپنی وحشیانہ حالت کو نہیں چھوڑا اور کبھی اپنے ملک میں علم کے درخت کا پھل نہیں چکھا - غرض کہ اُن کی حالت دیکھکر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو شام کو بددعا دی تھی اُس کا اثر ابتک اُس کی نسل میں چلا جاتا ہے گو یہ بات صحیح ہے کہ کالے رنگ کی قوم تعلیم و تربیت کی صلاحیت رکھتی تھی مگر ابتک یہ بات وقوع میں نہیں آئی کہ اس قوم میں سے کسی نے کبھی کسی قسم کی تحقیق کی ہو یا اُس سے کوئی بات دانشمندی اور ذہانت کی ظہور میں آئی ہو بخلاف زرد قوم یعنی منگولیا نسل کی قوموں کے جو فخریہ خوشی کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ چین اور جاپان اور اَور ولایتوں میں جو ہندوستان کی مشرقی طرف میں واقع ہیں جسقدر شایستگی پھیلی ہوئی ہے وہ سب ہماری دانشمندی اور ذہانت کا ثمرہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسل امریکہ تک پھیلی ہے اور وہ نسل اس بات کا دعویٰ کرسکتی ہیں کہ میکسیکو اور پیرو کی ولایتوں کو بھی ہمنے ہی شایستہ بنایا ہے مگر اب شایستگی کی اُس حد کو دریافت کرنا چاہئیے جہاں تک پہونچکر اس نسل نے اپنے آپکو چین میں نام آور کیا پس سب ظاہر اکثر نہایت عُمدہ عُمدہ تحقیقاتیں جیسے کہ باروت اور توپوں کا ایجاد اور چھاپہ کی صنعت اور سوزن مقناطیسی

اور علاوہ اس کے جو فن آلات سے متعلق ہیں وہ سب چینیوں سے منسوب ہیں لیکن اگر یہ بات درحقیقت تسلیم بھی کرلیجاوے تو پھر یہ سوال دریافت کرنے کے لایق ہوگا کہ اُن چیزوں سے اُنھوں نے فایدہ کیا حاصل کیا اس واسطے کہ اُن کا توپخانہ کچھ انگریزی توپخانہ سے بہتر نہیں ہے بلکہ انگریزی توپخانہ سے کیا ان قوموں کے توپخانہ سے بھی بہتر نہیں ہے جو ان کے قریب آباد ہیں اور بہرطور ان کی نسبت فہم و فراست میں کم ہیں البتہ چینی کتابیں چھاپتے ہیں مگر چونکہ ان کی زبان کی ترکیب ایسی واقع ہے کہ اُسکے بہت سے ٹکڑے نہیں ہوسکتے اور ان کی تحریر جو صرف علامتوں پر مبنی ہے اور اس میں حروف ابجد نہیں ہیں بلکہ جن تختیوں پر وہ بہت سی عبارت کندہ کرکے چھاپتے ہیں وہ بھی ایسی ہی ہیں اس وجہ سے اسمیں بھی ایسے نقصانات ہیں کہ اُن کے سبب سے چینیوں کی حالت ہنوز عالم طفولیت میں شمار کی جاتی ہے اور جب یہ کہا جاوے کہ اس کے علاوہ قدیم رسم و رواج کی چیزوں کی بھی چینی لوگ نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی تعظیم تعصب کے مرتبہ کو پہونچ جاتی ہے یعنی اگر اُن رسم و رواج کی تبدیل کی نسبت کسی طرح کوشش کیجاوے تو چینی لوگ ہرگز اُسکو گوارا نہیں کرتے اور وہ اپنے کمالات کے بھی معنی جانتے ہیں کہ اپنے اباو اجداد کی سادگی کی تقلید کریں تو یہ بات بہت جلد سمجھ میں آتی ہے کہ اُن کی حالت کا ترقی پذیر نہ ہونا خاص اس وجہ سے ہے مگر چونکہ اب ان کے تعصبات اسقدر کم ہوتے ہیں کہ وہ ملک یورپ میں آنے جانے لگے ہیں اس نظر سے اُمید ہوسکتی ہے کہ شاید ان کی شایستگی کو آیندہ کچھ ترقی ہوجاوے اور اس کے سبب سے اُن کو اور اُن کے سوائے اَوروں کو بھی فائدہ حاصل ہو پس گویا باقی تمام رُوے زمین کے باشندوں کی ترقی کا ذریعہ صرف سفید رنگ کی نسل کے آدمی ہیں جو ابتداءً ہندوستان اور کوہ قاف کے رہنے والے تھے اور غالبًا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص ان مغربی قوموں کو جیسے کہ ایران اور شام اور کالڈیا اور مصر اور فینیشیا کی قومیں ہیں اور ان سے یونان اور اٹلی کی قوموں کو علوم و فنون کی وہ شعاعیں جن کے ذریعہ سے عام جہالت کی تاریکی دُور ہوئی ہے خاص وسط ہندوستان سے ہی پہونچی ہیں ◆

یہ جو کچھ بیان کیا گیا اُس سے بخوبی ظاہر ہے کہ آدمی کا شایستہ ہونا صرف ان عادات کے ترک کرنے پر موقوف ہے جو خونخوار وحشیوں کے خواص میں سے ہیں اور جو خاص ایسے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں جس میں کسی طرح تہذیب و تربیت نہ ہو اور وہ اس قسم کی صفات ہیں جیسے کہ جنگجوئی شکار بازی۔ غارتگری۔ جا بجا نقل مکان کرنا بلا امتیاز مباشرت کرنا اور

مثل اِن کے ایسی حرکتیں کرنا جو کسی قانون یا ضابطہ کے بموجب نہ ہوں حالانکہ یہ سب عادات ایسی ہیں کہ جب کوئی وحشی بھی اُن فائدوں سے آگاہ ہوجاتا ہے جو اِن کے ترک کرنے میں منصور ہیں تو وہ بھی نہایت خوشی کے ساتھ ان کو چھوڑ دیتا ہے مثلاً بجائے اِن کے امن و امان اور زراعت اور جان و مال کا حفظ اور سکونت کے مکانوں کا شہروں یا دیہات میں قرار پانا اور نکاح کے احکام و قوانین مستقلہ کا ہدایت کیواسطے مقرر ہونا اور ذاتی اختیارات کا انسان پر حاصل ہونا سب ایسے امور ہیں کہ ان کے فایدوں سے آگاہ ہونے کے بعد خود بخود انسان اُن کی طرف مائل ہوتا ہے اور جو حقوق انسان کو قدرتی حاصل ہیں اُن کو باہمی معاشرت کے معاہدہ سے مستحکم کرتا ہے۔ غرض کہ اسی حالت کا نام شایستگی ہے اور ان سب کے سبب سے طبیعت کی تمام قوتیں ظاہر اور شگفتہ ہوجاتی ہیں اور اسی کی بدولت علم کے خزانے کھل جاتے ہیں اور پھر اُن کا ایک دریائے فیض دُور دُور تک بہنے لگتا ہے اور پھر معقول اور پسند آمیز گفتگو اور انسانیت کی اَور بہت سی باتوں کی تحقیق اور تکمیل سے انسان کو شہری ہونے کا رتبہ حاصل ہوتا ہے جو وحشیوں کے درجہ سے بمراتبہا بلند ہے ✦

۹

جو ۲۶ مئی ۱۸۷۳ء کو جلسۂ عظیم آباد پٹنہ میں جو واسطے ترقی چندہ مدرسۃ العلوم مسلمانان منعقد ہوا تھا، پڑھا گیا

پریسیڈنٹ اور بزرگان و رئیسان عظیم آباد پٹنہ۔

میرا دل آپکی عنایت اور مہربانی کا اِس سے زیادہ ممنون ہے۔ کہ مَیں اُسکو بذریعہ الفاظ کے بیان کروں۔ آپ نے میری اس درخواست کو منظور فرمانے سے کہ اس قدیم شہر میں (جو بڑے بڑے معزز اور نامی مسلمانوں کی سکونت سے صوبہ بہار بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں سے زیادہ نام آور ہے) مُسلمانوں کی تباہ حالت پر غور کرنے کے لیئے ایک جلسہ ہو مجھ کو بے انتہا ممنون کیا ہے۔ اور جبکہ میں اس موقع پر بہت سے بزرگوں کو جمع دیکھتا ہوں جو یہاں تشریف لائے ہیں تو میری وہ احسانمندی اَور زیادہ ہو جاتی ہے اور ہر ایک صاحب کا جو اس مجلس میں موجود ہیں میرا دل شکرگزار ہوتا ہے۔ اور جبکہ مجھ کو یہ خیال آتا ہے کہ یہ جلسہ نہ کسی معمولی تقریب کے سبب سے جمع ہوا ہے اور نہ کسی شخص کی ذاتی خوشی اور ذاتی غرض کے لیئے بلکہ قومی ہمدردی اور قومی بھلائی کے لیئے۔ تو مجھے بے انتہا خوشی ہوتی ہے اور مجھے اُمید پڑتی ہے کہ جو بدنصیبی اور بدبختی کے دن ہماری قوم پر ہیں شاید اب اُن کے زوال کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے۔ اسی مجلس میں جبکہ مَیں اپنی قوم کے ساتھ اپنے انگریزی حکام کو بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔ جو اس مجلس میں نہ اپنے کسی عہدہ کے کسی کام کے لیئے تشریف لائے ہیں اور نہ حکومت کے کسی کاروبار کی غرض سے بلکہ صرف برادرانہ محبت اور انسان کی یا کم سے کم ملکہ معظمہ وکٹوریا کی رعیت کی بھلائی اور بہتری میں شریک ہونے اور مدد کرنے کی غرض سے۔ تو میری وہ خوشیاں اور میری وہ احسانمندی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اے صاحبو۔ مَیں یقین کرتا ہوں اور جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا۔ جن پر میں نے غور کی ہے وہ بھی یقین کرے گا کہ انگریزوں کی قوم ایک ایسی قوم ہے جس کے دل میں انسان کی بھلائی اور بہتری چاہنے کا ایک قدرتی جوش ہے اور یہی سبب ہے کہ مجھ کو اپنے اس کام میں جو میں اپنی قوم کی بھلائی کے لیئے کر رہا ہوں انگریزوں کی قوم سے بہت قوی مدد

ملنے کی توقع ہے اور اُسکی تصدیق حضور ویسرائے و گورنر جنرل لارڈ نارتھ بروک کی اس فیاضانہ بخشش سے ہوتی ہے جو اُنھوں نے اپنی جیب خاص سے مسلمانوں کے قومی مدرستہ العلوم کے قایم ہونے کے لیئے دس ہزار روپیہ بطور چندہ مرحمت فرمایا ہے ❊

اسے صاحبون اور اسے اپنی قوم کے سردارون - مَیں نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ ہم سب نے اپنی قوم کے حال سے بہت کچھ غفلت کر لی ہے - اب ہمکو ہوشیار ہونا اور اپنی قوم کے تباہ حال پر رحم کرنا چاہیئے ❊

آپ صاحبوں میں سے جو اس وقت موجود ہیں بہت سے صاحب ایسے ہونگے جنہوں نے اپنے باپ دادا کی عزت اور حشمت آنکھ سے دیکھی ہو گی - اُن کی خوبیاں اور اُنکے اخلاق اُن کی متانت اور اُن کا وقار بخوبی یاد ہو گا - اور اگر کسی نے اپنی آنکھ سے نہ دیکھا ہو گا تو اَور ہزاروں آدمی اُن کے دیکھنے والے موجود ہونگے - اُن کی خوبیاں بطور کہاوتوں کے اور اُن کی فیاضیاں بطور حکایتوں کے لوگوں میں مشہور ہوں گی - اب تم اپنے حال کو اپنے بزرگوں کے حال سے مقابلہ کرو اور دیکھو کہ وہ کیا تھے اور تم کیا ہو - اور تم کس درجہ کی تنزل کی حالت میں پہونچ گئے ہو - اب بھی اگر اپنے تئیں سمھالنے کی فکر نہ کرو گے - تو آیندہ اَور کس درجہ کی خراب حالت پر پہنچو گے ❊

میرے یہ لفظ سُنکر غالباً آپکو انقلاب زمانہ پر خیال گیا ہو گا - اور آپ خیال کرتے ہونگے کہ انقلاب زمانہ نے ہمکو ایسا کر دیا ہے - مگر یہ خیال اگر ہوا ہو تو صحیح نہیں ہے - اصل یہ ہے کہ آپ کے بزرگ جس زمانہ میں تھے اُنھوں نے اپنے تئیں اُس زمانہ کے لایق بنالیا تھا اس لیئے وہ دولت اور حشمت اور عزت سے نہال تھے - اور جس زمانہ میں کہ ہم تم ہیں ہمنے اپنے تئیں اس زمانہ کے لایق نہیں بنایا اور اس لیئے نکبت اور ذلت میں ہیں - پس اگر ہم بھی اپنے میں وہ چیزیں پیدا کریں جو اس زمانہ میں لایق اور قابل اور معزز بننے کے لیئے ضرور ہیں تو ہم بھی اپنے زمانہ میں دولت و عزت سے مالامال ہونگے - دیکھو زمانہ دوڑتا جاتا ہے اگر ہم اُس کے ساتھ نہ چلینگے تو ضرور پیچھے رہجائینگے - اس وقت میری زبان سے دو لفظ دولت و عزت کے نکلے ہیں - اکثر لوگ دولت کو ہی ذریعہ عزت کا سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے - دولت بلاشبہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ چند خوشامدی کمینہ خصلت والے خوشامد کے لیئے اور جھوٹی تعریف کرنے اور جھوٹی عزت دینے اور جھوٹی دوستی جتلانے کو موجود ہو جاتے ہیں اور جبتک وہ ہے یہ بھی حاضر ہیں - اور جب وہ نہیں تو پھر یہ بھی حاضر نہیں - عزت خود ایک صفت ہے جو مثل اَور صفتوں کے خود

انسان کی ذات میں ہوتی ہے۔ سب سے پہلے خود انسان اپنے آپ کو معزز سمجھتا ہے اس عزت کی بدولت اس کا دل نہایت قوی اور نہایت خوش رہتا ہے۔ وہ مطلق اس بات کی خواہش نہیں رکھتا کہ کوئی دوسرا اُس کی عزت کرے۔ بلکہ اُس کی خوشی اُسی میں ہوتی ہے۔ کہ وہ خود ایسا ہو کہ آپ اپنی عزت پر یقین کرے۔ جب انسان ایسا ہو جاتا ہے تو تمام دنیا از خود اُس کی عزت کرتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ لوگ میری عزت کریں۔ مگر بے اختیار دوست دشمن اُس کے آگے جھکتے ہیں ؛

مجھ کو اس زمانہ کے حال پر نہایت افسوس ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ قبل اس کے کہ وہ خود اپنی عزت پر آپ یقین کریں دوسروں سے اور خصوصاً اس معزز تربیت یافتہ قوم سے جسکو خدا نے اپنی بڑی حکمت سے ہمارے ساتھ ہندوستان میں بسایا ہے اپنی عزت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور جو کہ غلطی پر ہوتے ہیں۔ اسی لیئے اپنے مقصد کو بھی نہیں پہنچتے ؛

اسی کے ساتھ مجھ کو ایک بڑا افسوس یہ ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں نے عزت کے معنی سمجھنے میں بھی بڑی غلطی کی ہے۔ اُنھوں نے عزت کے مفہوم کو چند ظاہری باتوں میں منحصر سمجھ رکھا ہے۔ خانگی امور میں تو اپنی عزت اُنھوں نے اس میں سمجھ رکھی ہے کہ دو چار خدمتگار دست بستہ اُن کے سامنے کھڑے رہیں۔ "حضور" و "جناب عالی" کہکر اور ہاتھ جوڑ کر کچھ بات عرض کرتے ہیں۔ سواری کے جلو میں دو چار عصا بردار و خاص بردار دوڑتے ہیں۔ دو تین خواص پان کا ڈبّہ اور پیک تھوکنے کا پیکدان لیئے حاضر ہیں۔ برادری میں اور اپنی قوم میں اپنی عزت اُسمیں سمجھ رکھی ہے کہ بیٹے کی بسم اللہ اور ختنہ کی شادی میں وہ کچھ کیا کہ آج تک کسی نے ویسا نہیں کیا تھا۔ کوئی دوست نہیں رہا جسکو نہ بلایا ہو۔ کوئی رقاصہ نہیں رہی جو مجرے کو نہ آئی ہو۔ بھانڈوں نے ایسا سماں باندھا کہ کسی کے ہاں نہ بندھا ہو۔ حاکموں کے دربار کی عزت اسمیں منحصر ہے کہ صاحب ہمسے ہنسکر بولے۔ شاید دو چار قدم استقبال کیا یہ تو نہایت خوش اور معزز کرسی پر بیٹھتے ہیں اور صاحب اس فکر میں ہیں کہ میں ان سے کیا بات کروں۔ کسی ملک کے حال سے یہ واقف نہیں۔ تاریخ کے دلچسپ واقعات کی ان کو خبر نہیں۔ انتظام ملکی اور انسان کی بھلائی و بہتری کے اصول تو اُن کے خیال میں بھی نہیں گذرے میں بولوں تو کیا بولوں۔ اتنے میں صاحب نے خیال کیا کہ آؤ میں مزاح اور دل خوش کن دو چار باتیں اُن سے کروں اس خیال سے دوہری مصیبت پیش آئی۔ اُدھر تو صاحب کو ہماری زبان میں لطیفہ گوئی و

بدلہ سمجھ نہیں آتی - اور اِدھر یہ رئیس اُن کی انگریزی اُردو نہیں سمجھتے - صاحب زیادہ اخلاق کرتا اور ملاقات کے خشک بدمزہ منٹوں کا کاٹنا چاہتے ہیں - وہ اپنی فوٹوگراف کی نہایت عمدہ تصویر جو اُسی دن طیار ہو کر آئی ہے اُن کو دکھلاتے ہیں (جیسا کہ چند روز ہوتے ایک رئیس پر گذر چکا ہے) وہ بے اختیار پوچھتے ہیں کہ صاحب یہ کس کی تصویر ہے - وہ ہنس کر ان کی صورت دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ولایتی بیل کی - غرضکہ جُوں تُوں کر کر وہ منٹ گذر جاتے ہیں اور صاحب اُن کا ہاتھ پکڑ کر کمرہ کے باہر لا کر چھوڑ جاتے ہیں - یہ خوش خوش اپنے گھر آتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حاکموں میں ہماری بڑی عزت ہے اور درحقیقت جو اُن کی عزت ہے وُہی خوب جانتے ہیں - جن سے وہ ملتے ہیں *

اے میرے پیارے ہموطنوں اگر میرے لفظ ناگوار گذرے ہوں تو معاف کرو - میرا دل اپنی قوم کی حالت پر نہایت جلتا ہے - میں ان کو ایسی خراب حالت میں دیکھ نہیں سکتا - اور جو ٹھیک ٹھیک حال ہے وہ نہایت دل سوزی اور ہمدردی اور دلی محبت سے سب کے سامنے رکھتا ہوں - اس اُمید سے کہ ہماری قوم جاگے اور ہوشیار ہو - اور اصلی عزت و دولت و حشمت میں پہونچے اور جس طرح کہ اس دنیا کی اَور معزز قومیں معزز ہیں اسیطرح ہماری قوم بھی معزز ہو *

یہ حال تو ہلوگوں کا ہے جن کی عمر کا بہت سا حصّہ گُذر گیا اور جس طرح پر ہوا ہمنے اپنی زندگی عزت سے سمجھو یا ذلت سے بسر کر لی ہے - مگر ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھو اور آنیوالے زمانہ پر غور کرو - کہ ہماری اولاد کے لیئے جن کو ہم اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں کیسا زمانہ آنے والا ہے *

اے عزیزو ن - اپنے باپ دادا کی عزت و بزرگی و حشمت و دولت پر ناز کرنا بڑی غلطی ہے - نہایت تجربہ کار ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ " دو چیز در دو چیز راست نیاید - ذکر توانگری در فقیری و ذکر جوانی در پیری " - ہمارے باپ دادا اگر بہت بڑے عالیقدر تھے اور ہم نہیں ہیں تو ہمکو اسپر ناز کرنا نہیں چاہیئے بلکہ رونا چاہیئے کہ ہم اپنے بڑوں کا بھی نام ڈبونے والے پیدا ہوئے - اگر اولاد کی اور قوم کی تعلیم و تربیت ایسی طرح پر نہو کہ جس زمانہ میں وہ لوگ اپنی زندگی بسر کرینگے اُس زمانہ کی مناسب لیاقتیں اُن میں پیدا ہوں تو ضرور اگلے خاندانوں کا نام برباد ہو جاوے گا - نواب خلیل اللہ خاں شاہجہانی کا آپ لوگوں نے نام سُنا ہو گا - اُن کے پڑوتے کو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ لوگوں کے پانوں دابنے آتا تھا اور دو چار پیسے لیجاتا تھا - تغلق آباد کے گانوں مین

جتقدر مُسلمان لھسیارے آباد ہیں جو سارے دن گھاس کھود کر شام کو بیچتے ہیں میں نے خوب تحقیق کیا ہے کہ سُلطان محمد عادل **تغلق شاہ** کی اولاد میں ہیں۔ پس اگلے بزرگوں پر فخر کرنا ایسی حالت میں کہ ہم کچھ نہیں ہیں کیا فایدہ ہے ÷

دنیا میں گذرے ہوئے زمانہ کے واقعات سے ہمکو عبرت اور نصیحت پکڑنی چاہئے اگلے زمانہ کے واقعات ہم سے آیندہ زمانہ کے واقعات کی پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ دیکھو ہوشیار ہو یہی حال ہماری قوم کا ہونیوالا ہے۔ کوئی آثار بھلائی اور بہتری کے ان میں نہیں دکھائی دیتے بلکہ برخلاف اسکے تنزل اور ادبار کی علامتیں موجود ہیں۔ تم اپنی اور اپنے دوستوں کی بلکہ اپنی تمام قوم کی اولاد کے حال پر اور نہ صرف عظیم آباد میں بلکہ تمام ہندوستان میں خیال کرو کہ اُن کی تعلیم اور تربیت کا جسپر دنیا کی عزت اور دنیا کی حشمت کا مدار ہے کیا حال ہے۔ اُن کے اخلاق۔ اُن کا چال چلن۔ اُن کی عادتیں کیسی ہوتی جاتی ہیں۔ تم خود اپنے دل میں سوچو اور سمجھو کہ اُن سے تمکو کچھ آیندہ کی بہبودی کی توقع ہے بھلا دُنیا کو جانے دو۔ شاید اس مجلس میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جو دنیا کو ہیچ سمجھتا ہو۔ اور دنیا کی عزت و دولت کو بے حقیقت جانتا ہو۔ تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا ہماری اولاد نے دین کمانے کا سامان کر لیا ہے۔ کیا اُن کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی ہے کہ اگر دنیا نہیں تو دین ضرور اُن کے ہاتھ آویگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُن کا حال دینی تعلیم و تربیت میں دنیاوی تعلیم سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ پس نہایت افسوس ہے کہ تھوڑا ہی زمانہ گذرنے پاوے گا کہ ہم نہ دین کے کام کے رہینگے نہ دنیا کے ÷

جس وقت اولاد کی تربیت کا ذکر آتا ہے تو رئیسوں اور دولتمندوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تعلیم خاص اپنے اہتمام سے اور ہر ایک علم کے عالم نوکر رکھکر بخوبی کر سکتے ہیں۔ بعضوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہمکو اپنی ہی اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی کافی ہے۔ مگر یہ ایک بڑی غلطی ہے اور خود اپنی اولاد کے ساتھ دشمنی کرنی ہے۔ جہالت اور ناتربیتی وبا کی مانند ہوتی ہے۔ جب تک تمام شہر اس بدہوا سے پاک نہ ہو کوئی ایک گھر اپنے تئیں اس سے بچا نہیں سکتا ÷

تعلیم و تربیت کا عجیب حال ہے۔ اگر تمام قوم کچھ نہ کچھ تعلیم یافتہ نہ ہو تو خاص خاص اشخاص اس قوم میں تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتے گو کہ اُنھوں نے بہ نسبت جاہلوں کے کچھ زیادہ پڑھ ہی لیا ہو۔ کسی علم کے پڑھ لینے سے انسان تربیت یافتہ نہیں ہو جاتا جبتک کہ اس کے لیئے ایک بہت بڑا گروہ اُس کے ہمجنسوں کا جس میں اسکا میل وجول ہو

تربیت یافتہ موجود نہ ہو - ایک یا چند آدمی اپنے خیال کو - اپنے اخلاق کو - اپنی اندرونی نیکی کو - اپنے ذہن کی جُودت کو - اپنے خیال کی وسعت کو - اپنی محنت کو - اپنی ہمت کو ترقی نہیں دے سکتا جبتک کہ اُسی قسم کے لوگ اس کے میل جول کے لیئے ہنوں تاکہ باہمی میل جول سے اور سمجھ اور خیالات کے مبادلہ سے تمام چیزیں ترقی پائیں - تم دیکھ لو کہ ہندوستان اور لنڈن میں بھی فرق ہے - وہاں کے لوگ تھوڑی سی تعلیم سے بہت زیادہ تربیت پا جاتے ہیں - اور یہاں کے لوگ جو زمانہ دراز تک علم سیکھنے میں صرف کرتے ہیں اور کچھ تربیت نہیں پاتے اس کا سبب یہی ہے کہ وہاں قومی تربیت ہے - ہر فرد قوم کا صرف اپنی تربیت یافتہ قوم کے میل جول سے اُن کے خیالات سے اُن میں رہنے سے کچھ نہ کچھ تربیت پا جاتا ہے - پس ہماری قوم خود غرضی پر خیال کر کر اگر قومی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوگی - تو خود اپنی ذاتی غرض کو اور خود اپنی اولاد کی تربیت کو برباد کرے گی ؎

اے بزرگون - اگر تم یہ بات چاہو کہ تمہاری اولاد ایک پُرفضا باغ کی سیر کرے اُسکے گُل - بوٹوں اور سایہ دار درختوں اور لہراتی ہوئی نہروں کا لطف اُٹھا دے - تو تمکو ضرور باغ بنانا پڑے گا - اگر چاہو کہ اپنے گھر میں دو چار گلدستہ رکھکر وہ کیفیت دکھاؤ یہ ممکن نہیں - پس خوب سمجھ لو کہ جو شخص قومی تعلیم و تربیت پر متوجہ نہ ہوگا وہ درحقیقت اپنا اور اپنی اولاد کا خاص نقصان کرے گا ؎

اِس کا ثبوت تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے - تمام ہندوستان کے رئیسوں کی اولاد کو دیکھ لو - ہر ایک شخص نے بقدر اپنی ہمت کے اپنی اولاد کی تربیت پر کوشش کی ہوگی - مگر کسی ایک گھرانے کی بھی اولاد کو بتاؤ جس نے عمدہ تعلیم و تربیت پائی ہو - اسکا سبب صرف یہی ہے کہ قومی تعلیم نہ تھی ؎

اے صاحبون تعلیم و تربیت کی مثال کُمہار کے آوے کی سی ہے کہ جبتک تمام کچے برتن بہ ترتیب ایک جگہ نہیں چُنے جاتے - اور ایک قاعدہ دان کُمہار کے ہاتھ سے نہیں پکائے جاتے کبھی نہیں پکتے - پھر اگر تم چاہو کہ ایک ہانڈی کو آوے میں رکھکر پکا لو وہ ہرگز درستی سے نہیں پک سکتی - تم خیال کرو کہ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریا کو کس قدر دولت و حشمت اور سلطنت و اختیار حاصل ہے - اس کے بعد اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کو دیکھو - کہ کیا کچھ دولت و حکومت اُن کو حاصل ہے - یہ لوگ بھی اپنی اولاد کی پوری تعلیم اپنے گھر پر نہیں کر سکتے - آپ لوگوں نے سُنا ہوگا کہ حضور پرنس اوف ویلز

فرزند ارجمند ملکہ معظمہ اور ولیعہد ہند و انگلینڈ یونیورسٹی آکسفورڈ کے ایک طالب علم ہیں اور جس زمانہ میں کہ مَیں لنڈن میں تھا۔ میں نے اپنی آنکھ سے حسن پاشا خدیو مصر کے فرزند کو دیکھا کہ یونیورسٹی آکسفورڈ میں تعلیم پاتے تھے۔ لباس شاہی اور تاج خسروی سے وہ والاقدر شاہزادے طالب علمی کے لباس کو اور طالب علموں کی خاص چوکونیہ سلیپٹ ٹوپی کو جو اُس یونی ورسٹی میں طالب علموں کے لیئے مقرر ہے معزز سمجھتے تھے۔ اب تم یقین کرلو کہ اگر تمام قومی تعلیم قایم کرنے کی فکر نہ کرو گے۔ تو تمہاری قوم بھی برباد ہو جاوے گی۔ اور اس کے ساتھ وہ لوگ بھی نہیں بچنے کے۔ جن کو تم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہو ٭

آہ۔ کیا افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے عزیز بیٹے کی بسم اللہ میں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہو۔ اس خوشی میں کہ ہمارا بیٹا پڑھنا شروع کرنے کے لائق ہوا اور اُس جگہ کے بنانے اور قایم کرنے کی کچھ فکر نہیں کرتے جہاں وہ پڑھے اور تمہاری اس خوشی کو جو قبل از وقوع تم نے اُسکو فرض کرلیا ہے پورا کرے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بنیر بوئے ہم کھیتی کاٹنے کی توقع کرتے ہیں۔ اور اَور زیادہ افسوس یہ ہے کہ اسی غلطی میں پڑے ہیں اور اس کی درستی کی کچھ فکر نہیں کرتے ٭

بے علمی مفلسی کی ماں ہے۔ جس قوم میں علم و ہنر نہیں رہتا وہاں مفلسی آتی ہے اور جب مفلسی آتی ہے تو ہزاروں جرموں کے سرزد ہونے کے باعث ہوتی ہے۔ اب تم اپنی قوم کے حال پر غور کرو کہ یہ بدبخت دن اُن پر آگئے ہیں۔ بڑے بڑے قدیمی خاندان سب گر پڑے ہیں۔ تمام قوم پر مفلسی اور محتاجی اور قرضداری اور ذلت چھا گئی ہے اگر جیلخانوں میں خیال کرو گے تو مُسلمانوں کو بلحاظ آبادی اَور قوموں سے بہت زیادہ پاؤ گے ٭

گذشتہ سال میں گورنمنٹ ہند نے مُسلمانوں کے حال پر زیادہ توجہ فرمائی تھی اور اُس کی تعمیل پر ہز ایکسیلنسی لارڈ ہابرٹ صاحب بہادر گورنر مدراس نے جن کا نام ہمیشہ مُسلمانوں میں قابل ادب رہے گا سب سے زیادہ توجہ فرمائی ہے۔ وہ تمام کاغذ میرے پاس موجود ہیں۔ اُن سرکاری کاغذات میں ایک چٹھی ہے جو ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن کے نام لکھی گئی ہے۔ اُس چٹھی میں ترچناپلی کے مُسلمانوں کا یہ حال مندرج ہے۔ کہ "خاص مانع ترقی تعلیم مُسلمانان ترچناپلی اُن کا خاص افلاس ہے۔ جس میں بہت سے مُسلمان مبتلا ہیں۔ گو وہ مفلس ہیں مگر مغرور ہیں۔ جب میں نے مُسلمانوں کے

لڑکوں کو بلا فیس اسکول میں داخل کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ کپڑے اُن کے پاس نہیں ہیں۔ اور بغیر کپڑا پہننے وہ نہیں آ سکتے۔ غریب سے غریب مسلمان ہرگز اپنے لڑکوں کو ویسے آدھی ننگے پن کی حالت میں باہر نہ آنے دیگا۔ جس میں بڑے دولتمند ھندو اپنے لڑکوں کو مدرسوں میں بھیج دیتے ہیں"۔

اے عزیزو! اب اس سے زیادہ کون سی بدبختی اور بدنصیبی ہے جبکی مسلمانوں پر آنے کی تم راہ دیکھتے ہو۔ کیا تمہارا دل اپنی قوم کی یہ خراب حالت دیکھکر جس سے ایمان کانپ جاتا ہے نہیں جلتا۔ کیا تمکو اپنی قوم پر رحم نہیں آتا؟ کیا محبّت قومی اور حبِّ ایمانی ہماری قوم سے بالکل جاتی رہی۔ کہ ہم سب اپنے گھروں میں خوش بیٹھتے ہیں۔ اور اپنی قوم کی بھلائی میں کچھ نہیں کرتے۔

ترچنا پلی کے مسلمانوں کا جو حال میں نے بیان کیا اگرچہ ہم اپنے غریب محتاج بھائیوں کی غیرت سے نہایت مغرور ہیں۔ اور وہ غریب مسلمان جو اپنی عزّت اور شرم کا لحاظ کرتے ہیں۔ حد سے زیادہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ وہ پاک خون جو مسلمانوں کی نسل میں حضرت **ابراھیم خلیل اللہ** سے چلا آتا ہے انمیں بھی ہے۔ مگر اُن کی مصیبت پر دل لرز جاتا ہے۔ اور ہمکو اپنی زندگی تلخ معلوم ہوتی ہے اور تمام عیش و آرام خاک میں مل جاتا ہے۔ اور کون تم میں سے ایسا ہے کہ ایسی دردناک حالت اپنی قوم کی سُنے اور اُس کا دل نہ بھر آوے؟ اے بھائیو۔ ان تمام واقعات سے میں اُن لوگوں کو جو اپنی اولاد کی۔ اور اپنی قوم کی تربیت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے خبردار کرنے کیلئے دیتا ہوں۔ کہ دیکھو کیا ہوا۔ اور سمجھو کہ آیندہ کیا ہوگا۔ مگر اسی حال کے ساتھ صاحب ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن مدراس نے ایک فقرہ لکھا ہے جس سے وہ تمام فخر جو ہم نے اپنے غریب بھائیوں کی عادت پر ابھی کیا ہے سب برباد ہو جاتا ہے اور درحقیقت ہمکو مہذب اور تربیت یافتہ قوم کے سامنے مونھ دکھانے کو جگہ نہیں رہتی۔ اور ہمکو اپنی نالائقی و بے غیرتی پر خود شرم آتی ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ کہ "ہم خوب جانتے ہیں کہ مسلمان بیفایدہ رسموں میں فضول خرچی کرتے ہیں اور اسقدر فضولخرچ ہوتے ہیں کہ انجام کو مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن اپنے لڑکوں کی تعلیم میں روپیہ خرچ کرنا نہیں چاہتے"۔ اے صاحبو۔ یہ طعنہ جو ڈائرکٹر صاحب نے ہمکو دیا میں دل میں یقین کرتا ہوں کہ بالکل سچ ہے۔ پس اس طعنہ سے جو ہماری بے عزّتی اور ہماری قوم کی بے عزّتی ظاہر ہوتی ہے اسکا اندازہ تم خود کر سکتے ہو۔

گورنمنٹ مدراس میں جو تحقیقات ہوئی اس سے ایک نہایت قابل افسوس کیے حال ظاہر ہوا ہے - یعنی گورنمنٹی میں چارسو پچاسی آدمیوں سے بعہدہ ڈپٹی اور سررشتہ مال میں معزز عہدوں پر ممتاز ہیں اُن میں صرف اُنیس مسلمان ہیں ؛

بنگالہ میں بھی جس کے مشرقی حصہ میں مُسلمانوں کی آبادی بہ نسبت ہندوؤں کے بہت زیادہ ہے اِسی کے قریب قریب حال ہوگا جو مدراس میں ہے ؛

صاحب ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن اضلاع شمال و مغرب ہمکو بتاتے ہیں کہ ان اضلاع میں یہ حال نہیں ہے مگر ہمکو مسلمانوں کی حالت کا اندازہ صرف گورنمنٹ کی ملازمی پر کرنا نہیں چاہیئے - یہ بات کہ گورنمنٹ کی نوکری میں اُسکی رعایا میں سے کس کس قسم کے لوگوں کا ہونا ایک پولیٹیکل بات ہے جسپر اور جس کی منفعت خواہ مضرت پر گورنمنٹ کو لحاظ کرنا چاہیئے - ہم رعایا کو اس سے چنداں غرض نہیں ہے - بلکہ ہمکو اپنی قوم کے حال پر **مجموع من حیث المجموع** خیال کرنا واجب ہے - اب تم تمام ہندوستان پر نظر ڈالو - اور تمام اُس کے کارخانوں کو نگاہ کے سامنے لاؤ - گورنمنٹ کے محکموں کو ہی دیکھو ریل کے محکموں اور کارخانوں کو دیکھو - سوداگروں اور بڑی بڑی کمپنیوں کی دوکانوں پر غور کرو - تجارت کے کاروبار پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان تمام کارخانوں میں کسقدر آدمی ملازم ہیں اور پھر خیال کرو کہ اُنمیں مسلمان کسقدر ہیں تو شاید میری دانست میں ہزار میں ایک کی نسبت نکلے گی اِسکا سبب بجز اسکے اَور کچھ نہیں ہے کہ ہم میں خود اِن کاموں کے لایق ہونے کی لیاقت نہیں ہے ؛

اے عزیزو ! ہماری قوم کے بعض نیکنیت اور بزرگ دیندار لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا چند روزہ ہے - اگر اسمیں ذلت سے بسر ہوئی تو کیا اور عزت سے بسر ہوئی تو کیا - اور اس سبب سے وہ لوگ اپنے معتقدوں کو اُن کاموں کی طرف متوجہ ہونیسے جو دنیاوی عزت و دولت وحشمت سے علاقہ رکھتے ہیں روکتے ہیں - اور میں خیال کرتا ہوں کہ اُن لوگوں کا بہت کچھ رعب داب ہماری قوم میں ہے - اُن کی یہ زہریلی باتیں ہماری قوم کے دلوں پر بہت کچھ اثر کر جاتی ہیں - مگر ذرا غور کرنا چاہیئے - جو کچھ وہ کہتے ہیں میں اُسکی حقارت نہیں کرتا - مگر میں تمکو یہ دکھاتا ہوں کہ جو ایسا کہتے ہیں وہی زیادہ دنیا کے محتاج ہیں - اگر یہ دنیادار نہ ہوں اور نذر و نیاز سے ان بزرگوں کی خبر نہ لیں تو پھر ایسی نصیحت کرنے والا کوئی بھی نہ دکھائی دے - تم غور کرو کہ اسلام کی عزت مُسلمانوں کی حالت سے خیال کی جاتی ہے - آپ مسلمان رئیس جو خدا کے فضل سے اس شہر میں موجود ہیں اور جن میں سے بہت سے یہاں تشریف رکھتے

ہیں ۔اُن کی لیاقت اور اُن کی ثروت سے اسلام کی شوکت کا خیال ہوتا ہے ۔ پس اگر تمام مسلمان مفلس ذلیل اور نان شبینہ کو محتاج ہو جاویں گے تو اسلام کی کیا عزت باقی رہیگی ۔ وہ نیک عالم اور درویش جو اس قسم کی باتیں کہتے ہیں وہ خدا کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اُن کو دنیا کی باتوں پر اور عواقب امور پر کچھ خیال نہیں ہے ۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر مسلمانوں کو دنیاوی علوم اور دنیاوی دولت وحشمت کی عزت حاصل ہوگی تو اس سے خود اسلام کو کیسی رونق وشوکت ہو جاویگی ۔پس اگر ہم اس نیت سے دنیاوی عزت حاصل کرنے پر کوشش کریں تو میری سمجھ میں گوشہ نشینی اور چلہ کشی سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔ ایک لطیفہ پر غور کرو جو اس وقت میرے دل میں آیا ہے ۔ کہ دین اور دنیا کا عجیب رشتہ ہے ۔ دین چھوڑنے سے دنیا نہیں جاتی مگر دنیا چھوڑنے سے دین جاتا رہتا ہے ۔ اب تم دیکھلو کہ دنیا کے معاملات میں جو ہماری حالت خراب ہوگئی ہے دین کے معاملات بھی اس کے سبب سے ابتر ہیں ۔ ہزاروں مسجدیں ٹوٹی پڑی ہیں ۔صدہا خانقاہیں ویران ہوگئی ہیں ۔بڑے بڑے نامی عالموں کے گھرانے برباد ہیں ۔ پُرانے کتب خانہ ۔پُرانے مدرسے نام ونشان کو بھی نہیں رہے ۔ عالم وفاضل تو اَب صرف نام کے رہ گئے ہیں جو پچھلوں کو بھی بدنام کرنیوالے ہیں ۔پس جب تک کہ ہم دونوں چیزوں کو یعنی دین و دنیا دونوں کو برابر سنبھالے نہ رہینگے ہمکو نہ دین میں کچھ حاصل ہوگا نہ دنیا میں ؛

اے بزرگو ! اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم لوگوں کو اپنی قوم کی بہتری پر متوجہ ہونا چاہیئے اور اس بات پر کہ اگر کوئی شخص بلا قومی بھلائی کے صرف اپنی ہی خیر منانی چاہے تو اُس کی کبھی خیر نہ ہوگی ۔ اگر میں گفتگو کرتا رہوں تو شاید کئی دن گذر جاوینگے اور ختم نہ ہوگی ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ جس قدر میں نے اسمیں طوالت دی ہے کچھ ضرور نہ تھی ۔پس اَب میں اس بات کا یقین کرکر کہ بلاشبہ آپ صاحب قومی بھلائی کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں ۔ آپ کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ قومی بھلائی کیونکر ہو سکتی ہے ؛

تمام قوموں نے اور بڑے بڑے دانشمندوں نے اس بات کا قطعی فیصلہ کردیا ہے کہ قومی ترقی قومی تعلیم وتربیت پر منحصر ہے ۔ پس اگر ہم اپنی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں تو قومی تعلیم اور قوم کو علم و ہنر سکھانے پر کوشش کریں ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اس زمانہ میں علم کیا چیز ہے جس سے قومی ترقی ہوتی ہے ۔ آج تک جو ہم نے جانا اور جو ہمارے بزرگوں نے جانا ۔ علم کی حقیقت کو اسقدر جانا ۔ کہ ایک شئے

عقلی ہے جو خیال ہیں اور حافظہ میں رہتی ہے۔ اور نفس کو اس سے بہت مزا اور روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے مگر اس زمانہ میں اُسی کو اصلی علم کہتے ہیں جو دیکھنے اور برتنے اور تجربہ میں آوے اور انسان کے لیئے اس کے تمام کاموں میں مفید ہو۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے اگلے زمانہ کے عالم فاقہ مرتے تھے اور خیرات کے ٹکڑوں پر اوقات بسر کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں تربیت یافتہ ملکوں کے جو عالم ہیں وہ دولت و حشمت سے مالا مال ہیں اور اُن سے اپنی قوم کی بھلائی و ترقی ہر دم ہوتی جاتی ہے ❊

اگلے زمانہ کے علوم سوائے دینیات کے اور علم طب کے کوئی علم ایسا مروج نہ تھا جو انسان کے برتنے اور اس سے فایدہ اُٹھانے کے لایق ہو۔ اِس زمانہ کے علوم ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو سیکھے اُن کو اپنے کام میں لاسکتا ہے اور اس سے فایدہ اُٹھا سکتا ہے۔ جس قدر پیشہ والے ہندوستان میں موجود ہیں اگر وہ حال کے علوم سے واقف ہوں تو وہ خود آپ اپنے پیشہ میں ایسی ترقی کریں جس سے روپیہ کی بھی آمدنی بڑھے اور ہنر و فن کو بھی ترقی ہو۔ پس میری خواہش یہی ہے کہ ہماری قوم میں بھی ایسے علوم کا رواج ہو جو ہماری قوم کی بہتری اور ترقی کے باعث ہوں ❊

ہم رعایا اپنی گورنمنٹ کی نیک نیتی کے دل و جان سے ممنون و شکر گزار رہیں۔ کچھ شبہ نہیں کہ گورنمنٹ دل سے ہماری تعلیم و تربیت چاہتی ہے۔ اور بیشک اس نے ہندوستان میں جس قدر کوشش اس باب میں کی ہے اور جس قدر روپیہ خرچ کرتی ہے اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ہے۔ باایں ہمہ سرکاری تعلیم سے مسلمانوں نے بہت کم فایدہ اُٹھایا ہے۔ چند روز ہوئے کہ حضور ویسرائے لارڈ نارتھ بروک صاحب نے یونی ورسٹی کے لیئے نئے سینٹ ہوس میں سالانہ اجلاس کے وقت یہ فرمایا کہ "ایسا کونسا شخص ہے جس کو اِسبات کے دیکھنے سے افسوس نہ ہوگا کہ آج باستثناء چند شخصوں کے ہماری ہمسر مُسلمان رعایا میں سے کوئی شخص یونی ورسٹی کے اعزاز و اکرام کے عطا میں شریک نہیں ہے" مسلمانوں کی بدنصیبی کے اسباب پر مَیں اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اسپر بہت بحث ہو چکی ہے۔ بلکہ مجھکو صرف اس وقت یہ بات دکھانی ہے کہ تمام قابل لوگ اور خود گورنمنٹ اس بات کو قبول کرتی ہے کہ سرکاری تعلیم سے مُسلمان رعایا نے بہت کم فایدہ حاصل کیا ہے۔ پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم خود مستعد ہو کر اپنی قوم کے لیئے ایسا انتظام کریں اور ایسے وسیلے پیدا کریں جس سے ہماری قوم کے تمام اغراض و مطالب پُورے ہوں اور عام تعلیم بھی مفید علوم کی ہماری

قوم میں پھیلے اور اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے لوگ بھی ہماری قوم میں پیدا ہوں ۔
گورنمنٹ نے اپنی نہایت دانائی اور ہوشیاری سے اپنی تعلیم سے مذہبی تعلیم کو بالکل خارج رکھا ہے ۔ اور یہ تدبیر جو گورنمنٹ نے اختیار کی ہے بے انتہا تعریف و توصیف کے لایق ہے ۔ مگر مسلمانوں کے حالات کو دیکھکر یقین ہوتا ہے کہ عام تعلیم کے ساتھ جو مذہبی تعلیم نہیں ہوتی اس سبب سے مسلمان تعلیم کے فوایدہ حاصل کرنے سے ضرور محروم رہتے ہیں ۔

اسی سالانہ اجلاس میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا حضور عالی **لارڈ نارتھ بروک** صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ " اگر اس بات کا لحاظ کیا جاوے کہ اس ملک میں کس قدر مختلف مذاہب رائج ہیں تو یہاں کے باشندوں کی تعلیم کیواسطے کوئی ایسا انتظام کرنا جس سے وہ سب برابر فایدہ اُٹھاسکیں ۔ اس انتظام سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے جو آجکل **پارلیمنٹ** میں **آئرلینڈ کی یونیورسٹی** کی نسبت پیش ہو رہا ہے " اور اسی گفتگو میں حضور ممدوح نے یہ بھی فرمایا کہ " میری بڑی خواہش یہ ہے کہ اعلےٰ درجہ کی انگریزی تعلیم ایسے مدارس کے متعلق کیجاوے جن کو گورنمنٹ سے کچھ تعلق نہ ہو ۔ جس ضرورت سے مجبور ہو کر گورنمنٹ نے ہندوستان کی انگریزی تعلیم کو مذہبی تعلیم سے علیحدہ رکھا ہے ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اس کے باعث سے ایسی دقتیں پیش آگئی ہیں جن کا مجھکو دل سے خیال ہے " پس یہ دقت جو مسلمانوں کی تعلیم میں ہے یہ ایسی دقت ہے کہ اسکا دفعیہ کرنا گورنمنٹ کی تدابیر مملکت کے لحاظ سے گورنمنٹ کی تدبیر سے غیر ممکن ہے اور جبتک ہم خود مستعد نہونگے اور اپنی قوم کے لیئے ہم خود اپنی خواہشوں کے موافق انتظام تعلیم کا نہ کرینگے یہ دقت رفع نہ ہوگی ۔ ہاں بیشک ہمکو اپنے اس کام میں گورنمنٹ کو اپنا حامی اور مددگار اور سرپرست بنانا چاہیئے تاکہ ہم اس کی مدد اور اُس کے سایہ عاطفت میں اپنے کاموں کو حسب مراد پورا کریں ۔

آپ صاحبوں کو خوب معلوم ہے کہ مُسلمانوں کا ہندوستان میں بہت بڑا گروہ ہے اور سب کے اغراض مختلف ہیں ۔ کوئی یہ چاہتا ہے کہ مَیں ایسے علوم و فنون حاصل کروں جس سے گورنمنٹ کے اعلےٰ عہدوں کے حاصل کرنے کے لایق ہوں جو بغیر کامل انگریزی دانی کے غیر ممکن ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں ۔ کسی کی یہ خواہش ہوگی کہ میں عربی زبان اور مذہبی علوم میں یا قدیم مشرقی علوم میں دستگاہ حاصل کروں ۔ اسیطرح کوئی اُن علوم و فنون کا حاصل کرنا چاہے گا جو تجارت اور پیشہ سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ پس ممکن نہیں ہے کہ

گورنمنٹ ہماری ان تمام اغراض کو پورا کر سکے اور اس لیئے خود ہمکو چاہیئے کہ ہم آپ اپنی اغراض کے پورا کرنے پر مستعد و آمادہ ہوں - ان مطالب پر غور کرنے کے لیئے چند سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس کا نام "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" ہے - اور اس کمیٹی نے بہت سی تحقیقاتوں اور بہت سی مباحثوں کے بعد یہ تجویز کی ہے کہ خود مسلمان اپنے اہتمام اور انتظام سے مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے ایک بہت بڑا دارالعلوم بنا دیں جسکے ماتحت مختلف مقاموں میں مناسب مناسب درجہ کے مدرسے بھی ہوں اور طریقہ تعلیم و تربیت کا جو ان مدرسوں میں ہو اُسکو خود چند نیکبخت مسلمان مقرر کریں جس سے ہماری قوم کے تمام اغراض پورے ہوں اور علوم مفیدہ کی تعلیم بشمول علم دینیہ کے اسمیں کیجاوے اور چونکہ ہندوستان میں شیعہ اور سُنّی دو فرقہ مسلمانوں کے ہیں اس لیئے دونوں فرقوں کے علوم دینی کی تعلیم بذریعہ علماء ہر ایک فرقہ کے ہوا کرے اور انگریزی اور عربی و فارسی اور اُردو زبانیں ان میں سکھائی جاویں اور چند قدیم زبانیں بھی جو حال کی زبانوں کی جڑ ہیں بطور مناسب تعلیم ہو سکیں - اس تدبیر کو بہت سی مُسلمانوں نے پسند کیا اور چونکہ انجام اس تدبیر کا بغیر روپیہ کے ممکن نہیں تھا - اور جب تک کہ تمام ہندوستان کے مسلمان مدد نہ کریں اور اپنی فیاضی سے اس کام کے لیئے روپیہ ندیں یہ کام ہو نہیں سکتا - اس لیئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو کہ اس کام کے لیئے بذریعہ چندہ روپیہ جمع کرتی ہے - چنانچہ اس وقت تک چھہتّر ہزار پانسو چوبیس (۷۶۵۲۴) روپیہ پانچ آنہ (۵ر) چھہ پائی چندہ ہوا ہے جسکی فہرست میرے ہاتھ میں ہے - اور اس کمیٹی کی کارروائی کے قواعد اور اُس روپیہ کی حفاظت کے قانون اور اُس روپیہ سے منافع اور محاصل حاصل کرنے کے طریقے جو بطور بائی لاز کے بنائے گئے ہیں میز پر موجود ہیں نہایت خوشی کی بات ہے کہ اس تدبیر کو گورنمنٹ نے بھی پسند کیا ہے اور حضور عالیجناب **لارڈ نارتھ بروک** صاحب بہادر نے اپنی فیاضی اور دریا دلی سے دس ہزار روپیہ چندہ اپنی جیب خاص سے اس کام کے لیئے مرحمت فرمایا ہے اور ہمارے مُلک کے جناب عالی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر **سر ولیم میور** ایل ایل ڈی - کے - سی - ایس - آئی نے بھی اس کام میں چندہ دینے سے مدد کی ہے اور کیسی خوشی کی بات ہے کہ انگلستان کے رئیس و شریف بھی اس میں مدد کرتے ہیں - ایک شریف عالی خاندان میرے دوست جی - ایم **کینڈی** صاحب بہادر نے جو ایڈنبرا واقع **اسکاٹلینڈ** کے شریف و رئیس ہیں اور جن کو کچھ تعلق ہندوستان سے نہیں ہے ہزار روپیہ اس کام کے لیئے مرحمت فرمایا ہے اور اُمید ہے کہ انگلستان کے اور شریف بھی

س میں مدد کرینگے ؛

علاوہ اس کے بڑی خوشی یہ ہے کہ گورنمنٹ نے بطور ضابطہ سررشتہ کی چٹھیات
کے ذریعہ سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ ان مسلمانی مدارس کے واسطے گورنمنٹ بھی
بموجب قواعد گرینٹ ان ایڈ کے روپیہ دینے سے مدد فرماویگی - پس اب یہ سب فواید
ہمارے ہاتھ کے پاس ہیں بشرطیکہ ہم ذرا کوشش کرکر اور ہاتھ پھیلا اُن کو لے لیں - یونیورسٹی
کے سالانہ اجلاس میں جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے حضور عالی جناب لارڈ نارتھ بروک
نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "گورنمنٹ اور یونی ورسٹی کی مجلس سینٹ اس امر پر غور کر رہی ہے کہ
یونی ورسٹی کا طریقہ تعلیم کس تدبیر سے ہندوستان کی مسلمان رعایا کے موافق ہو سکتا ہے اور
ممکن ہے کہ جو تدبیریں ہندوستان کے بعض مقامات میں کی گئی ہیں ان میں سے بعض
ایسی ہوں جن کے ذریعہ سے یہ حاجت بخوبی رفع ہو جاوے گی اور ہمارے اس ہمسر اور
معتمد علیہ فرقہ اور ہمارے سررشتہ تعلیم کے باہم اتفاق اور اتحاد زیادہ ہو جاوے گا" ؛

اگرچہ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ حضور ویسرائے نے یہ اشارہ کن تدبیروں کی نسبت کیا
ہے - شاید اُن تدبیروں کی نسبت جو پریسیڈنسی مدارس میں ہو رہی ہیں - مگر مَیں
یقین کرتا ہوں کہ ہماری یہ تدبیر بھی منجملہ اُنھیں تدبیروں کے ہے جس سے وہ نتیجہ
جس کی توقع حضور عالی جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب نے کی ہے ضرور
بالضرور حاصل ہوگا ؛

اب میں نے آپ صاحبوں کو بہت تکلیف دی اور اس سے زیادہ تکلیف دینا
نہیں چاہتا مگر چند اَور کلموں کے عرض کرنے کی جو غالباً ضروری ہیں اجازت چاہتا ہوں
جب سے ہماری کمیٹی نے مسلمانوں کے لیئے مدرسۃ العلوم مقرر کرنے کی تجویز کی ہے
اس وقت سے اکثر لوگوں نے مسلمانوں کے لیئے معمولی مدرسہ قایم کیئے ہیں اور اس بات
کے دریافت ہونے سے بھی مَیں خوش ہوا کہ اس شہر عظیم آباد میں بھی اس قسم کا ایک مدرسہ
قایم ہوا ہے - مَیں کسی طرح ان مدرسوں کے برخلاف نہیں ہوں - کیونکہ غالباً ان میں دینیات
زیادہ پڑھایا جاوے گا جو فایدہ سے خالی نہیں - مگر مجھ کو شبہ ہے اور ان کے بانیوں کا جو
خیال ان مدرسوں کے قایم کرنے میں ہے شاید اس میں کچھ غلطی ہے - اگر ان لوگوں نے
ان مدرسوں کو خاص اپنے نفع اور خاص اپنے ثواب آخرت کے لیئے قایم کیا ہے تو
مَیں اس بات کو قبول کرتا ہوں اور اُن کے اس خیال کو صحیح تسلیم کرتا ہوں - اور اسکے
ساتھ یہ بھی کہتا ہوں یہ مدرسے اپنی خاص غرض کے لیئے قایم کیئے گئے ہیں نہ قومی بھلائی کو

بہبودی کے خیال سے اور اس لیئے ان کے بانیوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ یہ نہ تصوّر فرماویں کہ وہ اپنی قوم کی بھلائی کرنے کی غرض سے ادا ہو گئے بلکہ یقیناً جاننا چاہیئے کہ ان کو اپنی قومی بھلائی کے لیئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے - اور اگر اُن کا یہ خیال ہو کہ یہ مدرسے ہم نے اپنی قومی بھلائی اور قومی ترقی کے لیئے قایم کیئے ہیں تو اس میں مجھے کلام ہے اور میں صاف صاف بیان کرتا ہوں کہ ان مدرسوں میں گو کہ علاوہ دینیات کے دنیاوی تعلیم علوم بھی مثل منطق و فلسفہ وغیرہ پڑھائے جاویں مگر اُن سے قومی ترقی کی کچھ توقع نہیں ہے - کیونکہ جبتک ہماری قوم علوم و فنون جدیدہ سے جو اَب رائج اور بکار آمد ہیں واقف نہ ہوگی اُس وقت تک ترقی قومی ممکن نہیں ہے - اس زمانہ کے مفید علوم و فنون کو اپنی قوم میں مروّج کرنے کے لیئے بہت سا روپیہ اور بہت بڑا سامان درکار ہے اور ان علوم و فنون کی کتابوں کا اپنی قوم کی زبان میں موجود کرنا سب سے مقدم ہے - اور پھر ان سب باتوں کے لیئے نہایت تدبیر اور دانشمندی اور دُور اندیشی درکار ہے - اور یہ سب باتیں اُسی حال میں ہو سکتی ہیں جبکہ ہم سب ایک دل ہو کر اس کام کے پورے کرنے پر روپیہ سے محنت سے - عقل سے - تدبیر سے کوشش کریں - اور صرف ان فارسی عربی کے چھوٹے چھوٹے مدرسوں کے مقرر کرنے سے یہ مقاصد کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے ٭

اے صاحبان - ہمارے ہندوستان کے رئیسوں نے بھی اپنی فیاضی اور دریا دلی کی بہت سی مثالیں دنیا میں چھوڑی ہیں اور انگلستان کے امیروں اور رئیسوں کی فیاضی کی بھی بہت سی مثالیں ہیں - ہندوستان کے رئیسوں کی فیاضی کی مثالیں زیادہ تر یہ ہیں کہ فلاں امیر نے اپنے بیٹے کی شادی میں اس قدر روپیہ خرچ کیا تھا - اس نے اپنے عیش و آرام کے لیئے نہایت عمدہ محل بنایا تھا جس کی ٹوٹی پھوٹی دیواروں کا نشان ابھی موجود ہے اور بختاور خاں کی حویلی اور خلیل خاں والی باری کے نام سے مشہور ہے - اسکے سوا اور بھی ان کی فیاضیاں مشہور ہیں جن کی تشریح کرنے سے مجھے شرم آتی ہے انگلستان کے امیروں کی فیاضی کی زیادہ تر مثالیں اس میں ہیں کہ فلاں امیر نے اپنا کُل سرمایہ قومی تعلیم کے لیئے وقف کر دیا - فلاں مدرسہ اُس امیر نے قایم کیا - وہ شفاخانہ اُس امیر کا بنایا ہوا ہے - فلاں علم کی ترقی کے لیئے فلاں امیر نے اتنے لاکھ روپیہ دیدیا یقینی آپ لوگوں نے **جان میور صاحب** ہمارے لفٹنٹ گورنر صاحب کے بھائی کا نام سُنا ہوگا میں نے سُنا ہے کہ اُنھوں نے یہ بات دیکھکر کہ جرمن والوں نے سنسکرت زبان میں انگلستان والوں سے زیادہ ترقی کی ہے اپنا کُل سرمایہ اپنی قوم میں سنسکرت زبان کی

ترقی کے لیئے وقف کردیا ہے - دوتین ہفتے ہوئے کہ میں نے ایک اخبار میں دیکھا کہ پروفیسر
جان ٹنڈیل صاحب نے امریکہ کے مختلف مقامات میں علمی مضامین پر لکچر لکھ
دیئے - اٹھتّر ہزار نوسو پچھتّر (۷۸۹۷۵) روپیہ ان لکچروں کے ذریعہ سے کمایا اور اس عرب
عالم نے وہ کُل روپیہ اپنے ملک کی علمی ترقی کے لیئے وقف کردیا - پس آپ دیکھیں کہ اَور
مُلکوں کے لوگ کس طرح اپنی قومی بھلائی اور ترقی میں کوشش کرتے ہیں ✦

اے رئیسان عظیم آباد پٹنہ - آپ بھی ہماری قوم میں رئیس اور ہماری قوم کے سردار ہیں
اور آپ سے میری یہ خواہش ہے کہ اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کیجئے اور اپنے بھائیوں
جاں بلب رسیدہ آب از سرگذشتہ کی دستگیری فرمائیے - اور یہ تدبیر جو قومی ترقی کی کی گئی
ہے اور جس کے پُورا ہونے کو دس لاکھ روپیہ کی حاجت ہے جس قدر آپ سے ہوسکے
آپ بھی مدد فرمائیے ✦

۱۰

لکچر "رسم و رواج" پر جو ۲۳ - نومبر ۱۸۷۳ء کو مرزاپور انسٹیٹیوٹ میں دیا گیا

جسکو انگریزی میں مینر اور کسٹم کہتے ہیں - رسم اُسکا نام ہے جو ہماری پرکھوں سے ہوتا چلا آیا ہے گو کہ ہمکو یہ بھی نہ معلوم رہا ہو کہ وہ کیوں ہوتا تھا - اور اُس سے کیا فایدہ ہے ◆

رواج اُس کا نام ہے جسکو سب لوگ کرتے ہوں یا کرنے لگیں - اور اُسکے کرنے کو لوگ کچھ عیب نہ سمجھیں - پس ہوسکتا ہے کہ ایک زمانہ میں کوئی کام عیب گنا جاتا ہو مگر جب وہ رواج پا جاوے تو لوگوں کی آنکھ میں کچھ عیب نہ رہے ◆

انگریزی مصنفوں نے کسٹم یعنی رسم کی تعریف زیادہ وضاحت سے بیان کی ہے - وہ کہتے ہیں کہ ایک کام کا ہمیشہ بار بار کرتے رہنا یا کسی کام پر مدتوں سے بطور قانون کے عملدرآمد چلا آنا رسم کہلاتا ہے - رسم ہمیشہ ایک بن لکھا قانون ہوتا ہے جسپر سب لوگ مدت سے اتفاق کرتے چلے آتے ہیں اور اس لیئے وہ رسم بطور ایک قانون کے سند ہوجاتی ہے ◆

سر والٹر ریلی نے نہایت عُمدہ بات کہی ہے کہ رسم اور رواج میں وہ فرق ہے جو سبب اور نتیجہ میں ہے کیونکہ جب کسی کام کا رواج مدت تک رہتا ہے تو وہ بطور ایک قانون کے لوگوں میں پھیل جاتا ہے اور آخر کو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ایک رسم ہوجاتی ہے ◆

عادت میں اور رسم میں ایک نہایت باریک تفاوت ہے - عادت خود ہماری طبیعت کا ایک اصول ہے جو خود ہم میں سے پیدا ہوا ہے اور جو بالطبع اور بے تکلف ہمکو کسی کام کے بار بار کرنے کو کہتا ہے - رسم ایک اصول ہے جو باہر سے ہم میں آیا ہے جس کے سبب سے ہم کسی کام کو بار بار کرتے ہیں - مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے مدد ملتی ہے مثلاً دان - پُن - خیرات و زکوٰۃ دینے کی رسم سے فیاضی کی عادت پیدا ہوتی ہے - اور پوجا کرنے اور نماز پڑھنے کی رسم سے مندروں میں اور گرجاؤں میں اور مسجدوں میں جانے کی عادت ہوجاتی ہے ◆

لفظ کسٹم یعنی رسم علم قانون میں بھی آتا ہے اور مقنن اس کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ "رسم ایک ایسا قانون ہے جو کبھی تحریر میں نہیں آتا۔ مگر مدتوں سے اور علم لوگوں کی رضامندی سے جاری ہے۔" رسم و رواج ایک بڑا حصہ مُلکی قوانین کا ہوتا ہے۔ اس کا وجود ہر ایک ملک اور ہر ایک عملداری میں پایا جاتا ہے۔ انگلستان میں جو قوانین کہ کامن لا کہلاتے ہیں وہ حقیقت میں وہی بن لکھے قوانین مُلکی رسم و رواج کے ہیں بڑے بڑے قانون دانوں نے کامن لا کے یہی معنی بیان کیئے ہیں کہ "انگلستان کا قدیمی رواجی قانون"۔ پس ہمارے ہندوستان میں جو رسم و رواج ہے وہ ہمارے ملک کا کامن لا ہے۔ انگلستان میں تین قسم کے قانون جاری ہیں۔ ایک کامن لا یعنی رسم و رواج کا بن لکھا قانون۔ دوسرا اسٹیٹوٹ لا یعنی قوانین تحریری۔ جن کو واضع قوانین نے بنایا اور گورنمنٹ نے ان کو جاری کیا۔ تیسرا ایکیوٹی یعنی قدرتی انصاف کا قانون مگر ان تینوں قسموں کے قانونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ تحریری قانون سے رواجی قانون یعنی کامن لا منسوخ ہو جاتا ہے۔ اگر ان دونوں میں مخالفت ہو لیکن اگر ایکیوٹی یعنی انصافی قانون کے قاعدے اس کے برخلاف ہوں تو کامن لا یعنی رواجی قانون بحال رہتا ہے۔ اگرچہ میری رائے میں ایسا ہونا انسان کے لیئے نہایت افسوس کی بات ہے کیونکہ ایسی حالت میں رواج کے نیچے قدرتی انصاف دب جاتا ہے مگر تمام مقننوں کی رائے ہے کہ کامن لا یعنی رواجی قانون ایسا ہو جو تحریر میں نہ آیا ہو اور اُس کے قاعدے زبانی روایتوں پر چلے آتے ہوں۔ مگر رسم و رواج کو قانونی رتبہ حاصل ہونے کے لیئے اتنا پرانا ہونا ضرور ہے کہ اس کے برخلاف ہونا لوگوں کی یاد سے باہر ہو۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کامن لا کے لیئے کچھ تحریری کتابیں نہیں ہوتیں بلکہ کامن لا پر نہایت بڑی بڑی کتابیں بہت بڑے لائق اور قابل اور واقفکار عالموں نے لکھی ہیں فرق یہ ہے کہ کامن لا پہلے جاری ہوتا ہے اور پھیل جاتا ہے اور اُسکے بعد وہ ضبط تحریر میں آتا ہے یا اسپر کتابیں لکھی جاتی ہیں اور تحریری قانون اول تحریر میں آتا ہے اور اُسکے بعد جاری ہوتا ہے اور پھیل جاتا ہے۔

نازک بحث اس مقام پر یہ ہے کہ مذہبی قانون کس میں داخل ہے۔ تحریری قانون میں یا رواجی قانون میں۔ میں اِس بات میں کسی مصنف کی رائے سے واقف نہیں ہوں مگر میں مذہبی قوانین کو پچھلی قسم میں سمجھتا ہوں۔ کوئی مذہبی قانون یہاں تک کہ موسیٰ کے دس حکم بھی ایسے نہیں ہیں جن کا رواج قبل اُن کے لکھے جانے کے نہ ہو چکا ہو یا نئی مذہب

گو کہ وہ خدا ہی کی طرف سے آیا ہو وعظ و نصیحت سے ایک بات کا رواج دینا چاہتا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ اُس کے گروہ معتقدین میں رواج پا جاتی ہے اور جبکہ اسپر ایک عرصہ گذر جاتا ہے تو وہ بمنزلہ قانون مذہبی کے یعنی ایسی رسم کے جو ایک مذہب کی بنا پر جاری ہوئی مستند ہو جاتی ہے۔ پُرانے مذہب کے لوگوں میں بہت مذہبی رسمیں انسان کی یاد سے پہلے سے جاری ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ کیوں جاری ہوئی تھیں اور اُن سے کیا فائدہ ہے اور اب ہم کیوں ان کو کرتے ہیں۔ پس وہ تمام باتیں بجز اس کے کہ رسم و رواج میں داخل ہوں اور کسی میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ میری رائے ہے کہ مذہب بھی رسم و رواج پیدا ہونے کا ایک سبب ہوتا ہے مگر جبتک کہ اُسکے مسائل بطور رسم کے جاری نہ ہو جاویں رسم و رواج سے زیادہ قوت نہیں رکھتا۔ اکثر قوموں میں بلکہ دنیا کی کُل قوموں میں بہت سی ایسی رسمیں پائی جاویں گی جو درحقیقت اُن کے مذہب کے برخلاف ہیں مگر ان رسموں نے اُن کے دلوں میں ایسی مضبوط جڑھ پکڑ لی ہے کہ مذہب کی نہایت زبردست اور طاقتور کَل بھی اُس کے اُکھاڑنے سے عاجز ہو گئی ہے۔ رسم و رواج کی حکومت انسانوں کے دلوں میں نہایت قوی اور سب سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ ہر شخص غلام سے زیادہ اس کی تابعداری کرتا ہے۔ آقا کو اپنے غلام پر کبھی کبھی نافرمانی کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر رسم و رواج کو اپنے غلاموں کی نسبت نافرمانی کا کبھی اندیشہ نہیں ہوتا ؎

تعجب یہ ہے کہ جاہل اور عالم۔ نادان اور عقلمند سب برابر اسکی غلامی کرتے ہیں اچھا قابل اور لائق آدمی جو فلاسفی اور حکمت کے باریک باریک مسئلے حل کرتا ہے۔ جب ان باتوں تک پہونچتا ہے جن کا رسم و رواج مدت سے چلا آتا ہے تو تمام اپنی قابلیت اور عقل و تمیز کو بھول جاتا ہے اور محض نادان شخص کی مانند اس کے آگے سر جھکا لیتا ہے۔ کسقدر ہمکو تعجب آتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سقراط سا شخص جس نے اپنی قوم کے رفارم کرنے میں اپنی جان دی جبکہ زہر کے پیالہ کا اپنی جان پر اثر پاتا ہے اور اپنی زندگی کو چند لمحہ سے زیادہ نہیں سمجھتا کس وقت اپنے پیارے دوست کرِیٹو کو وصیت کرتا ہے کہ وہ اُسکی مَنّت کو جو اُسکو لیپی اس دیوتا پر مُرغی چڑھانے کی تھی پوری کرے اس واقعہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ رسم و رواج کا انسان کے دلوں پر اور سقراط کے سے دِل پر بھی جس کے دِل کو گویا خدا نے اپنے ہاتھ سے بنا لیا تھا کیسا کچھ قوی اثر ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بلاشبہ تسلیم کرنے کے لایق ہے کہ جو رسم مذہبی سند یا مذہبی خیال پر قایم

ہوتی ہے اسکا اثر انسانوں کے دلوں پر بہ نسبت اُن رسموں کے جو اَور طرح پر قایم ہوئی ہوں بہت زیادہ سخت اور نہایت قوی ہوتا ہے ✤

اس میرے بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسم و رواج کا تعلق مذہب اور حکومت اور معاشرت سب سے برابر ہے مگر میں اپنے اس لکچر میں اس بات سے کچھ بحث نہیں کرنے کا کہ جو رسمیں دنیا کی قوموں میں جاری ہیں ان میں سے کون سی اچھی ہیں اور کون سی بُری ہیں - بلکہ میں اس بات پر بحث کروں گا کہ رسومات معینہ میں خواہ وہ مذہب سے علاقہ رکھتی ہوں یا حکومت و معاشرت سے - اصلاح اور ترقی کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کیونکر ہو سکتی ہے ✤

جو لوگ مذہبی رسومات کے پابند ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی رسمیں سچائی اور انسان کی بھلائی کے لیئے نہایت اعلےٰ درجہ کمال پر ہیں اور اُن سے زیادہ ترقی کرنا ممکن نہیں یہانتک کہ اگر کوئی شخص ان میں ترقی یا اصلاح کرنی چاہے "گو کہ وہ اُسی مذہب کی سند پر کرتا ہو جس مذہب کی وہ رسمیں ہیں" تو اُس کو کافر اور مذہب سے خارج قرار دینگے - اسکا ٹھکانا بجز جہنم کے اَور کہیں نہیں بتلا وینگے - مگر ہماری تسلی کو صرف یہی بات کافی نہیں ہے کیونکہ ابتک ایک نہایت ضروری بات پر خیال نہیں کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن رسومات مذہبی کا اثر ہمارے دل پر درحقیقت اُن کی سچائی کا سبب ہے یا ہماری عادت کا جس کی ہمکو اپنی بچپن سے عادت پڑ گئی ہے ✤

رسم جو حکومت سے متعلق ہے اُسپر پابند رہنے کے لیئے بڑے بڑے مشہور مقنن اور عالم طرفدار ہیں - ٹیسی ٹس مورخ کا قول ہے کہ " جس سلطنت میں زیادہ قانون ہوتے ہیں اُس میں اُتنی ہی زیادہ بُرائی ہوتی ہے " میں سمجھتا ہوں کہ غالباً میرے مُلک کے لوگوں کی بھی یہی رائے ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہندوستان قانون کے بوجھ کے تلے دبا چلا جاتا ہے اور اسی سبب سے اس میں روز بروز پیچیدہ حالات پیدا ہوتے جاتے ہیں - اودھ کے رہنے والوں نے جو اودھ کے شمال مغربی اضلاع میں شامل ہونے سے اپنی زیادہ نفرت ظاہر کی غالباً اسکا سبب غالب یہی تھا کہ بہ نسبت حال کے اُن کا ملک قانون کے بوجھ میں زیادہ دب جاوے گا - غالباً ہندوستان کی راجاوائی اور ہندوستانی عملداریوں کو اس لیئے زیادہ عمدہ سمجھتے ہوں گے کہ وہاں کی حکومتیں مرجا دینے قدیم رسوم پر چلتی ہیں اور تمام جھگڑوں کا فیصلہ رسم و رسم کی پابندی سے ایک عامل کی رائے پر ہو جاتا ہے ✤

رسم و رواج کے طرفداروں کے لیئے رومیوں کی حکومت ایک بہت بڑی مثال گنی جاتی ہے جن کی حکومت میں تمام کام" خواہ وہ عام لوگوں سے متعلق ہوتے تھے خواہ لوگوں کے ذاتی کاموں سے خواہ عدالت کے فیصلوں سے" باپ دادا کی رسم پر مبنی ہوتے تھے یہانتک مجرموں کو سزا دیتے وقت جس طرح کہ ہم پینل کوڈ کی دفعہ کا حوالہ دیکر سزا دیتے ہیں وہ اپنے باپ دادا کی رسم کا حوالہ دیکر سزا دیتے تھے +

"سیاحت" رومی مورخ لکھتا ہے کہ "ٹارکوئین کو جلاوطن کرنے کے حکم میں یہ لکھا گیا تھا کہ "ایک رسم کے تبدیل کے سبب جلاوطن کیا گیا" ومرجل مصنف بھی رسم و رواج کا طرفدار ہے - اور کرمے سٹم کا قول ہے - کہ" وہ قوم غلامی کی حالت میں ہے جسپر قانون حکومت کرتا ہے اور آزاد قوم وہ ہے جسپر رسم و رواج کی حکومت ہوتی ہے" گولڈ اسمتھ لکھتے ہیں کہ رسم و رواج درحقیقت اپنے باپ دادا کے حکموں کو ورثہ کے طور پر لینا ہے جسپر خود بھی لوگ چلتے ہیں اور نہایت خوشی و رضامندی سے اسکو مانتے ہیں اس لیئے ملکی رسم و رواج کا جاری رہنا قومی آزادی کا نشان ہے اور جو کہ یہ رسمیں اس ملک کے معزز و قابل ادب بزرگوں سے چلی آتی ہیں اسلیئے ان سے آیندہ کو قومی آزادی کے محفوظ رہنے کو بڑی مدد ملتی ہے - مگر مفتوحہ ملک کا حال اس کے برخلاف ہوتا ہے کیونکہ وہاں کی رعایا جو بسبب مفتوح ہونے کے غلاموں کی مانند ہوتی ہے اسکو ایسے رتبوں کا دعویٰ نہیں پہنچتا اس لیئے کہ مغلوب ہونے کی ذلت نے ان کے بہادر اور نامور باپ دادا کے آزاد کاموں کے محفوظ رکھنے کا حق بالکل کھو دیا ہے اور اس حق کو فتحمند قوم نے اپنی قوت و جرأت سے لے لیا ہے +

فتحمندی کو ہمیشہ قوانین کے جاری کرنے اور وہاں کی رعایا کو بغرض قدیمی رسم کے قانون کے پابند رہنے سے مضبوط کرنا چاہیئے تاکہ وہ قانون ہر گھڑی اُن کو یاد دلاتے رہیں کہ وہ فتح کرنیوالوں کے غلام ہیں - گولڈ اسمتھ صاحب کی یہ رائے ہے کہ ایسی مضبوط رعایا پر (جن کے ہاں اُن کے معزز باپ دادا کی پُرانی رسمیں جاری ہوں جو ہر دم اُن کو مفتوحہ ہونے کی ذلت سے اُٹھانا چاہتے ہیں اور آزادی اور بغاوت کی ترغیب دیتے ہیں) کسی طرح وفاداری و خیرخواہی کا اعتماد نہیں ہو سکتا - وہ لکھتے ہیں کہ شاید یہی سبب تھا جو رومن ریپبلکن رسم و رواج کی نہایت عزت کرتے تھے - اور نئے قوانین کے جاری کرنے میں نہایت تامل کرتے تھے اور اسی سبب سے ان کی سلطنت بہت دنوں تک رہی اور تمام دنیا میں بے انتہا نیکیوں کا نمونہ ہوئی - وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قوانین کا

فایدہ اُن کے ماننے اور اُن کے اوپر عمل کرنے پر منحصر ہے۔ پس رسم و رواج کے قانون اُن کے بانیوں کی عزت کے سبب از خود معزز ہوتے ہیں اور تمام لوگ ان بانیوں کی نیکی اور انتظام کی نقل کرنے میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اسی سبب سے رومن لوگ اپنے باپ دادا کی یادگاری مذہبی طور پر کیا کرتے تھے اور مدتوں تک اسی طرح عملدرآمد کرنے سے اُن کے اُن کی معزز و قابل ادب رسموں کی گردن پر نیئے نیئے قوانین کی موٹی موٹی اور بھاری بھاری جلدیں سوار نہ ہوئی تھیں ❖

مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے ہندوستانی بھائی **گولڈ اسمتھ** کے اس فقرہ کو سُنکر بہت خوش ہوئے ہوں گے اور اُن کے دل میں اس بات کا خیال گذرا ہوگا کہ ہندوستان کی حکومت بھی اسی رومی اصول پر ہونی چاہیئے۔ مگر مَیں چاہتا ہوں کہ وہ ابھی تھوڑا سا صبر کریں کہ مجھے ابھی کچھ اَور کہنا ہے ❖

گولڈ اسمتھ رسم و رواج کی طرفداری کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ قومی رسموں نے بسبب اپنے پُرانی اور سیدھی سادھی اور مختصر ہونے کے ایک نہایت بزرگ اور ہمیشہ قایم رہنے والی صورت پیدا کرلی ہے جس کی دل میں بڑی عزت بیٹھ گئی ہے۔ مگر نیئے قانون جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں وہ لوگوں کو گھبرا دیتے ہیں اور ہمیشہ ادل بدل ہوتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان کو بھول جاتے ہیں اور اُن کو حقیر سمجھتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو کام انسان کرتا ہے اس میں ضرور بڑی بڑی غلطیاں ہوتی ہیں اور اس لیئے ضرور ہے کہ ان قانونوں میں بھی کچھ غلطیاں اور نقصان ہوں۔ اور پھر وہ غلطیاں اور نقصان جلد معلوم بھی ہوجاتے ہیں اور ایک جُز میں نقصان ثابت ہونے سے تمام قوانین حقارت کے قابل ہوجاتے ہیں۔ رسومات جو قدیم سے چلی آتی ہیں شاید اُن میں بھی کچھ نقصان ہوں مگر لوگ ان نقصانوں پر کچھ لحاظ نہیں کرتے بلکہ اُنکی حمایت میں ایک دوستانہ تعصب برتتے ہیں ❖

فرض کرو کہ ایک قانون نہایت انصاف سے بھرا ہوا ہے اور ضروری بھی ہے اور اُس کے برخلاف کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو بھی لوگ اس قانون کی عزت نہیں کرتے مگر رسم و رواج کے برتنے میں وہ بالکل اندھے ہوجاتے ہیں اور اسکی غلطیوں کو خود دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے عقلمند اور دُور اندیش باپ دادوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سمجھکر کیا ہے اور کوئی نہ کوئی اسکا سبب ہوگا۔ اگرچہ اب ہم اب اس کا سبب نہیں جانتے مگر جو فایدے کہ اس رسم کے مقرر کرنے سے تھے ❖

اس رسم کے کرتے رہنے سے برابر ہمکو ملتے رہتے ہیں۔ گو کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا فایدے تھے اور کیونکر ہمکو ملتے ہیں +

ایک اَور رومی قانون دان سب سے بڑھکر ایک بات کہتا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ جو رسمیں ہمارے باپ دادا نے مقرر کی ہیں ان کا سبب ہم نہیں بتا سکتے۔ مگر ہمکو اتنا سبب تلاش کرنا نہیں چاہیئے۔ ورنہ جس بات کی خوبی پر ہمکو کامل یقین ہے اس میں شک پڑ جاوے گا +

یہ وہ دلیلیں ہیں جو رسم و رواج کے طرفداروں نے نہایت مضبوط مضبوط سمجھکر بیان کی ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ اسکی مخالفت کسی نے نہیں کی ہے۔ مانیٹرک مشہور رومی مصنّف اس رائے کے بالکل برخلاف ہے۔ اُسکا قول ہے کہ "جس قوم میں جسقدر زیادہ تحریری قانون ہوتے ہیں وہ اُتنی ہی زیادہ آزاد ہوتی ہے۔ اُس نے پرشیا کے بادشاہ کو نہایت حقارت سے دیکھا ہے جس نے اپنے ملک کے تحریری قوانین بہت گھٹا دیئے تھے" بعضوں کا قول ہے کہ "اس سے زیادہ کون ملک نفرت اور حقارت کے قابل ہے جہاں کی حکومت صرف وہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہوتی ہے اور کوئی تحریری عمدہ قانون جاری نہیں ہے اور گورنمنٹ اور اُس کی رعایا کے حقوق کی کوئی حد نہیں ہے" مَیں رسم و رواج کی پابندی کا طرفدار نہیں ہوں۔ کچھ تھوڑی دیر کے بعد مَیں آپ صاحبوں کو بتلاؤں گا کہ اُن رایوں میں کسقدر غلطی ہے اور مانٹیرک کا قول کیسا ادب کے لایق ہے +

رسم و رواج کا تعلق جہاں تک کہ مذہب اور حکومت سے تھا اسکا بیان ہو چکا اور معاشرت سے جو اسکا تعلق ہے اُسکا بیان باقی ہے مگر میں زیادہ اسکی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ کوئی قوم بلکہ کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس میں درباب معاشرت ہزارہا اور عجیب عجیب رسمیں جاری نہ ہوں۔ یہاں تک کہ سوئیٹ‌زرلنڈ ملک میں بھی ہزاروں لغو رسمیں جاری ہیں جبکہ انسانوں کے مزاج میں وحشت کم ہوئی اور جانوروں کی طرح جنگل میں رہنے اور خانہ بدوش پڑے پھرنے اور جانوروں کے شکار سے پیٹ بھرلینے اور اُنھی کی کھال پہن لینے کے بدلے اُنھوں نے تمدن اختیار کیا اور آپسمیں مل جُل کر رہنے لگے اور معاشرت کی حالت پیدا ہونے لگی اسی کے ساتھ رسم و رواج نے بھی ظہور پایا۔ گویا تمدن و معاشرت رسم و رواج پیدا ہونے کا سبب ہے اور پچھلا پہلے کا نتیجہ ہے۔ مگر ان کے قایم ہونے کے اَور بھی سبب ہوئے ہیں +

ملک کی خاصیت مختلف ملکوں کے لوگوں کی مختلف ضرورت قوموں کی طبیعتوں کا اختلاف ان کے مزوں کا تفاوت جسکو انگریزی میں ٹیسٹ کہتے ہیں اُن کے اعضاء کی دماغ کی بناوٹ جس سے اعلےٰ یا ادنےٰ درجہ کے طبعی خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اخیر کو علم و ہنر کی ترقی ؛

رسم و رواج کا تبدیل کرنا اور ان کو ترقی دینا انسانی سوسائٹی کے لیئے ایسا ہی ضرور ہے جیسے کہ ہر ایک انسان کو زندگی کے لیئے سانس لینا اور متغیر ہوا کو نکالنا اور تازہ حیات بخش ہوا کو اندر کھینچنا اگرچہ ہر ایک شخص سمجھتا ہے کہ ہماری رسم و رواج میں تبدیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن جبکہ ان سببوں پر خیال کیا جاوے جو رسم و رواج قایم ہونے کے سبب ہیں اور جن کو میں نے ابھی بیان کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ سبب ہی شاید سوائے بعض کے ایسے ہیں جن میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتی رہتی ہے۔ اور اثر یہ ہے کہ وہ سب زمانہ کے گذرنے پر ترقی پاجاتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ ان کے نتیجوں یعنی رسموں میں بھی تبدیل اور ترقی ہو۔ یہ دعوےٰ منطقی شکل پر اس طرح قایم ہوتا ہے کہ "رسمیں نتیجہ ہیں زمانہ کی حالت کا اور زمانہ کی حالت ہمیشہ قابل تغیر ہے۔ پس رسمیں بھی قابل تغیر ہیں" ؛

یہ خیال کہ ہماری رسموں میں تبدیل کی ضرورت نہیں ہے (گو وہ کیسے ہی مضبوط یقین سے دل میں بیٹھا ہو) بھروسے اور اعتماد کے لایق نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ صرف عادت نے یہ خیال ہمارے دل میں جمایا ہو۔ اس بات کا اندازہ کرنا کہ انسان جن عادتوں میں ابتداء سے پرورش پاتا ہے اور پلتا ہے اور بڑھتا ہے وہ کہاں تک اسمیں اثر کر جاتی ہیں اور دوسری طبیعت سے ہو جاتی ہیں حقیقت میں انسان کی طاقت سے بھی بہت زیادہ اور بلند درجہ پر ہے چنانچہ مختلف قوموں کی مختلف رسموں پر لحاظ کرنے سے اس بات کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے ؛

رسومات میں اصلاح کرنے کی ضرورت خود انسان کی حالت پر غور کرنے سے ثابت ہوتی ہے جبکہ ہم انسانوں کی سوسیٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کی تمام رسمیں کیا مذہب کی اور کیا حکومت کی اور کیا معاشرت کی مختلف پاتے ہیں۔ مختلف کا لفظ شاید میں نے غلط کہا کیونکہ مجھ کو یوں کہنا چاہیئے کہ ایک کی رسم کو دوسرے کی رسم کے برعکس یعنی نقیض پاتے ہیں اور جو کہ دو نقیضیں کبھی سچ نہیں ہوسکتیں اس لیئے دونوں کی دونوں رسمیں بھی اچھی نہیں ہوسکتیں۔ پس رسومات متناقضہ کا موجود ہونا ہی کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ رسومات کا توڑنا اور تبدیل کرنا اور ترقی دینا نہایت ضرور ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لیئے کہ مختلف

قوموں میں تینوں قسم کی متناقض رسومات موجود ہیں اُن قوموں کی رسومات پر جو مذہب حکومت اور معاشرت سے متعلق ہیں غور کرنی کافی ہے ٭

دیکھو اگلے زمانہ کے یونانیوں اور مصریوں اور ہندوستان کے ہندوؤں کو جو مذہبی رسومات میں بیسیوں دیوتاؤں کو ماننا اور اُن کی پرستش بجالانا اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر یہودی اور مسلمان ٹھیک اس کے برخلاف ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سوائے ایک خدا کے کسی دوسرے کی پرستش کرنا ٹھیک جہنم میں جانا ہے ٭

یہودی اور مسلمان اور ہندو جنگ کے وقت اپنی نجات کے لیئے قربانیاں کرتے ہیں۔ مگر ایک بُدھ مذہب کا ہندو اُسکو بہت بڑی ہتیا اور سخت عذاب کا کام سمجھتا ہے ٭

ہندو اور رومن کیتھلک اپنے پیشواؤں کی مورتوں کے سامنے خوشیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہودی اور پروٹسنٹ اور مسلمان اُسکو روحانی موت کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ ایک نہایت نیک دل ہندو نہایت سچائی اور دلی اعتقاد سے اور بیکنٹھ میں جانے کے یقین سے ایک دیوتا کی مورت پر اپنی جان کو آپؑ قربانی کرتا ہے مگر عرب کے ریگستان کا قانون بنانے والا ایسے فعل کو خودکشی قرار دیتا ہے اور اُس کے کرنے والے کو نرک میں ڈالتا ہے ٭

ایک ہندو اپنے پیارے باپ کی لاش کو کس محبت اور عزت اور نیکی اور ابدی نجات کے یقین سے نہایت خوفناک اور تیز بھڑکتی آگ میں جلاتا ہے۔ اور پھر اس کی جلی مٹی سے اُس کی ہڈیوں کو چُنتا ہے۔ اور اُن کا نام پھول رکھتا ہے اور پھر گنگا میں بہاتا ہے مگر ایک یہودی یا عیسائی یا مُسلمان اسکو نہایت بے رحمی اور سنگدلی کا کام سمجھتا ہے ٭ کسی مجرم کی لاش کو بھی آگ میں ڈالنا سخت گناہ سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اپنے عزیز کی لاش کو خود اپنے ہاتھوں جلتی آگ میں ڈال دیا جاوے پس یہ بات غور کے قابل ہے کہ مذہبی رسومات بھی ایک قوم کی دوسری قوم سے کیسی مخالف ہیں ٭

رسومات جو حکومت سے متعلق ہیں وہ بھی باہمی اختلاف رسومات کے اندازہ سے مختلف ہیں۔ ایک ٹکڑا امریکہ کا غلاموں کو آزاد کرنا گورنمنٹ کا ایسا ہی فرض سمجھتا ہے جیسے کہ دوسرا ٹکڑا انکو غلاموں پر قایم رکھنا واجب جانتا ہے۔ زنجبار کا بادشاہ غلاموں کی سوداگری کو ایک عمدہ اور نہایت پاک محاصل بادشاہی خزانہ کا سمجھتا ہے مگر انگلینڈ کی ملکہ اس کے معدوم کرنے کو جنگی جہاز روانہ کرنے پر آمادہ ہوتی ہے ٭

اسی ہندوستان کی پہلی حکومت میں دختر کشی ایک رسم ناقابل مزاحمت اور نئی ایک رسم قابل ادب و تعظیم کے تصور کی جاتی تھی۔ مگر فورٹ ولیم کا قانون بنانے والا اس کو قتل انسان مستلزم سزا کا جرم قرار دیتا ہے۔

معاشرت و تمدن کی رسومات کے اختلاف کی تو کچھ انتہا ہی نہیں ہے۔ ایک قوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ سر ننگا کرنا اور پاؤں میں جوتی پہنے رہنا نہایت تعظیم و ادب کا آداب کرنا سمجھتی ہے مگر میں سنتا ہوں کہ ہندوؤں میں سر ڈھانکے رہنا اور جوتی اُتار کر ننگے پاؤں ہو جانا غایت ادب و تعظیم کا کام سمجھا جاتا ہے (میں نے ہندوؤں کی تخصیص اس مقام پر اس لیئے کی۔ کہ مسلمانوں میں جوتی اُتار کر ننگے پاؤں ہونا داخل ادب نہیں ہے) سب سے بڑا معاملہ معاشرت اور تمدن کا شادی و بیاہ سے متعلق ہے۔ ایک قوم کی خوبصورت نیک لڑکی نہایت پاک مگر محبت کے بھرے ہوئے دل سے اپنے لیئے آپ شوہر پسند کرتی ہے۔ مگر ہندوستان کی قوم کی لڑکی بیاہ کے بعد بھی کبھی اپنے شوہر سے بات تک نہیں کرتی۔

دیکھو کثرت ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادی کرنی ایک قوم میں کس قدر معیوب اور کیسی قابل نفرت قرار پائی ہے۔ مگر ہندوستان کی ایک قوم کولین میں یہ رسم کیسی عمدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہے۔ ستر برس کے بڈھے سے سات برس کی لڑکی کی جو اکہترویں جورو اُس بڈھے کی ہوتی ہے شادی کی جاتی ہے اور شادی کرنے والے اس شادی کو بہت بڑا پُن اور نہایت ہی عمدہ کام سمجھتے ہیں۔ اور قوم کے ہندو بھی کثرت ازدواج کو معیوب نہیں سمجھتے اور مسلمان بھی چار تک اور ان کا ایک فرقہ کولین فرقہ سے بھی بڑھکر لا انتہا تک کثرت ازدواج کو معیوب نہیں سمجھتا۔ مگر یورپ کی سوسائٹی میں کثرت ازدواج پر مثل ایک سنگین جرم کے سزا دی جاتی ہے۔

آپ زیادہ تر تعجب کرینگے جبکہ آپ اس قوم کی رسم پر غور کریں گے جو کوہستان سراج کا علاقہ کانگڑہ میں آباد ہے اور جو کنیت کہلاتی ہے اور جن میں یہ رسم ہے کہ چار پانچ بھائیوں میں صرف ایک عورت ہوتی ہے یعنی وہ سب ایک سے شادی کرتے ہیں اور وہ سب کی جورو ہوتی ہے جو شوہر خلوت کے مکان میں اُس کے پاس جاتا ہے اپنی لاٹھی جوتی باہر چھوڑ جاتا ہے تاکہ دوسرا شوہر ان نشانیوں کو دیکھکر اُلٹا پھر جاوے۔

اس پہاڑی مُلک کو ایک وحشی مُلک سمجھکر حقیر مت سمجھو۔ اسپارٹا کے ملک میں بھی ایک زمانہ میں ایسی ہی رسم تھی۔ وہاں کے مرد بغیر خاص وجہ کے ایک سے زیادہ شادی نہ کر سکتے تھے۔ وہاں کی عورتیں ایک سے زیادہ خصم کرنے کی بلا قید مجاز تھیں اور کئی کئی خصم

ساتھ رکھتی تھیں ؛

جس طرح کہ ہلوگ ایک عورت کے کئی خصم ہونا معیوب سمجھتے ہیں اسیطرح وہ لوگ ایک مرد کی کئی جورو ہونا سخت عیب اور نہایت ہی عیب خیال کرتے ہیں ٭

ایک چینی جن ہیں دانتوں کا سیاہ کرنا نہایت پیاری رسم ہے جب یورپ میں جاتا ہے تو تمام لیڈیوں کے سفید اور موتی کیسے سے آبدار دانت دیکھکر نہایت ہی متعجب ہوتا ہے اور جب ان کو چلتا پھرتا دیکھتا ہے تو اَور بھی تعجب میں ہوتا ہے کیونکہ چینیوں میں عورتوں کے پانوں لوہے کے شکنجے چڑھا کر ایسے چھوٹے کردیتے ہیں کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں ٭

اگر کوئی اشراف مسلمان خاندان کی عورت عربی گھوڑے پر سوار ہوکر شہر میں نکلے تو کونسا عیب ہے جو اُسپر نہ لگایا جاوے - مگر تم اسی ہندوستان ہیں ایک تربیت یافتہ اور فہمند قوم کو دیکھتے ہو کہ ان کی تمام لیڈیاں مثل مردوں کے باہر پھرتی ہیں اور عجائبات قدرت الٰہی کو دیکھتی ہیں اور قدرتی چیزوں کے دیکھنے اور ملکوں کی سیر کرنے اور دریاؤں اور جنگلوں کے تماشے دیکھنے سے مردوں کی مانند عقل و علم و تربیت حاصل کرتی ہیں شاید تمہاری نگاہ میں یہ ہنر عیب ہو - مگر جس کو تم ہنر سمجھتے ہو وہ اُس کو نہایت سخت عیب سمجھتے ہیں ؛

کیا آپ لوگ اس رسم کو عجیب اور نہایت ہی عجیب نہ سمجھیں گے کہ میسور کی ایک قوم میں یہ رسم ہے کہ جب کسی عورت کے ہاں اوّل مرتبہ لڑکا پیدا ہوتا ہے یا بانجھ عورت لڑکے کو متبنیٰ کرتی ہے تو اپنے ہاتھ کی دو اُنگلیوں کی ایک ایک پور کٹوا ڈالتی ہے اور اُس کو نہایت ہی مُبارک سمجھتی ہے ٭

یہ چند مثالیں بطور نمونہ کے میں نے آپ کے سامنے بیان کیں ورنہ بہت سی ایسی رسمیں نکلینگی کہ جن کو ایک قوم نہایت اچھا اور دوسری نہایت ہی بُرا سمجھتی ہوگی - اور جو کہ وہ دونوں رسمیں آپس میں برخلاف ہیں اس لیئے وہ دونوں رسمیں اچھی نہیں ہوسکتیں یا وہ دونوں بُری ہونگی یا اُن میں سے ایک اچھی ہوگی اور ایک بُری ہوگی - پس اگر رسموں کی پابندی کیجاوے تو ضرور کوئی نہ کوئی قوم ایسی رسموں میں جو درحقیقت بُری اور خراب ہیں مبتلا رہے گی ٭

جو لوگ رسموں کی پابندی کے طرفدار ہیں اُن سے یہ سوال ہوتا ہے کہ جن رسموں کی تم پابندی چاہتے ہو وہ رسمیں بھی بعد اصلاح و ترمیم و تبدیل کے تمہارے بزرگوں نے

قایم کی تھیں کیونکہ تمہارے بزرگوں کے بزرگ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ رسموں میں مبتلا تھے۔ پس جبکہ ہمارے بزرگوں نے اپنے بزرگوں کی رسموں کو اصلاح کیا ہے تو ہم اپنے بزرگوں کی رسموں کو جو اصلاح کے قابل ہوں کیوں نہ اصلاح کریں +

اگر رسموں کا اصلاح کرنا ابتدا سے انسان کی نسلوں میں جاری نہ ہوتا اور ابتدا سے تمام انسان رسموں کی پابندی کے ایسے ہی طرفدار ہوتے جیسکہ ٹیسی ٹس - ورجل کہتے ہیں سمتھ اور مسٹر گولڈ اسمتھ تھے - جن کے قول ہیں نے اوپر بیان کیئے۔ تو آپ جانتے ہیں کہ ہماری تمہاری کیا حالت ہوتی - ہم میں سے کسی کے اگر پیچھے کسی درخت کے دو پتے بندھے ہوتے اور کسی کے کسی جانور کی بالوندار کچی کھال لپٹی ہوتی اور عدن کے درختوں کی آڑ میں بیٹھے ہوئے خدا کے گیت گایا کرتے - پس جو لوگ رسموں کی اصلاح و ترقی کے برخلاف ہیں وہ خود اُس میں مبتلا ہیں جس سے لوگوں کو منع کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک ترقی یافتہ زمانہ کی رسموں کو پکڑتے ہیں اور دوسرے ترقی یافتہ زمانہ کی رسموں کے پکڑنے سے انکار کرتے ہیں +

تمام کام جو رسم کے برخلاف کیئے جاتے ہیں ابتدا ئً سب کو بُرے معلوم ہوتے ہیں اس کا بڑا سبب بے علمی یا ناقص تعلیم اُن کی تعلیم کو اسقدر قوت نہیں بخشتی کہ وہ رسومات کے اس تعصب اور جہالت اور ہٹ پر جو عادتاً اُن کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے غالب آوے اور نہایت انصاف سے دیکھے کہ رسومات معینہ میں درحقیقت کیا نقص ہیں اور اُن کی ترقی اور اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں +

ایک عادل اور منصف گورنمنٹ کو جو اپنی رعایا کی حالت کی ترقی بھی چاہتی ہو قانون بنانے اور اُن کو جاری کرنے نہایت ضرور ہیں جبکہ رعایا کی حالت اُن کی عادت اور اُن کے خیالات اور اُن کے معاملات اور اُن کی معاشرت تبدیل ہوتی جاتی ہے یا نئی قسم کے حقوق اور نئے طور کی ملکیت پیدا ہوتی ہے یا خود گورنمنٹ کو اپنے استحکام اور استقلال کے لیئے نئے انتظاموں کی ضرورت پیش آتی ہے تو پُرانی رسومات کے موافق چلنے سے کام نہیں چلتا اور بلاشبہ قوانین جدید کے بنانے کی ضرورت پڑتی ہے - اور یہی سبب ہے کہ تم ہندوستان میں اور نیز تمام تربیت یافتہ گورنمنٹوں میں نئے نئے قانون جاری ہوتے ہوئے دیکھتے ہو - ہاں یہ بات میں دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے قوانین کا جاری ہونا بصلاح اور مشورہ رعایا کے نائبوں کے ہونا چاہیئے اور مجھے نہایت افسوس ہے کہ ہندوستان میں ایسا نہیں ہوتا اور ایسا نہ ہونے میں کچھ تو گورنمنٹ کی غلطی ہے اور زیادہ تر ہم رعایا کی نالایقی گر

اُمید ہے کہ چند روز بعد کافی تعلیم سے یہ دونوں باتیں رفع ہوجاویں گی ؛

رسومات کی اصلاح و ترقی جس طرح کہ انسان کے ظاہری طریقہ زندگی کو فایدہ دیتی ہے اسی طرح اس کی عقل کو بھی ترقی دیتی ہے۔ ایک بات کے پیچھے لگے رہنے اور اُسی لکیر پر چلنے سے انسان کی عقل سو جاتی ہے اور قوت ایجاد جو خدا نے انسان میں رکھی ہے وہ معطل بلکہ قریب معدوم ہونے کے ہوجاتی ہے اور اس سبب سے قومی تنزل شروع ہوجاتا ہے کیونکہ قوت ایجاد کے معطل ہونے سے تمام علوم و فنون میں فتور آجاتا ہے اور کسی چیز میں ترقی نہیں ہوسکتی۔ یہاں تک کہ جولاہے اور بڑھئی اور لوہار بھی اپنے پیشہ میں نہ کچھ ترقی کر سکتے ہیں اور نہ کچھ ایجاد کرتے ہیں۔ اور ٹھیک یہی حال ہندوستان کا رسومات کی پابندی سے ہوگیا ہے ؛

رسومات کی اصلاح اور ترقی کے وقت بلاشبہ نازک مسئلہ بحث میں آتا ہے کہ کونسی رسم اچھی اور کون سی بُری ہے۔ اور اس کا جانچنا اور تصفیہ کرنا بھی کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ اسپر بحث کرنا میرے اس لکچر میں مقصود ہے۔ مگر زمانہ اور تعلیم اور تربیت خود اچھی اور بُری رسموں کو جدا جدا کرتا اور بتلاتا جاتا ہے اس وقت بھی اس کمرہ میں جس قدر لوگ موجود ہیں غالباً اُن میں چند ایسے بھی ہوں گے جو ان رسموں سے جن کو وہ کرتے ہیں بہت سی رسموں کو بُرا سمجھتے ہوں گے اور اُن کی اصلاح و ترقی کی بھی نہایت خواہش رکھتے ہوں گے۔ مگر اس بات میں متحیر ہوں گے کہ کیونکر اُن کو چھوڑیں اور کس طرح اُن کی اصلاح و ترقی کریں ؛

بعضوں کا یہ خیال ہے کہ اگر گورنمنٹ دست اندازی کرے یا صاحب کلکٹر توجہ فرماویں تو ہمکو ان بد رسموں کا اپنی قوم سے چھوڑانے کا اور سب کو دھمکا کر راہ پر لانے کا موقع ملے۔ اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم بدنامی سے محفوظ رہیں اور گورنمنٹ کو لوگ بدنام کریں اور گورنمنٹ سے ناراضی کا بیج لوگوں کے دلوں میں بوئیں اور جو لوگ اس سے زیادہ سنجیدہ اور متین اور معقول ہیں وہ ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ اگر برادری کا اتفاق ہوا اور بزرگ لوگ اُسکو کرنے لگیں تو یہ کام چلجاوے مگر نہ کبھی کسی رسم کے چھوڑ دینے یا بدلنے پر اتفاق ہوتا ہے اور نہ کسی رسم میں اصلاح و ترقی ہوتی ہے۔ بلکہ اسی تاریکی کی حالت میں زمانہ کا زمانہ گذر جاتا ہے ؛

اکثروں کا یہی خیال ہے کہ آپسمیں اتفاق ہو تو رسموں میں اصلاح و ترقی ہو یا گویا وہ اصلاح و ترقی کو اتفاق پر منحصر رکھتے ہیں ؛

جس شخص کے دل میں اصلاح وترقی کا خیال ہو اسکو چاہیئے کہ خود نہایت استقلال اور مضبوطی اور بہادری سے تمام قوم سے اختلاف کرے اور اس رسم کو توڑنے یا اس میں اصلاح وترقی کرلے اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام قوم اُس کو بُرا کہے گی اور نکو بنائے گی۔ مگر پھر رفتہ رفتہ لوگ اُس کی پیروی کرنے لگیں گے اور جس طرح کہ اوّلاً وہ ہدف تیر ملامت ہوا تھا انجام کو وُہی سب کا ہادی اور پیشوا اور مصلح قوم شمار کیا جاوے گا۔ جبتک کوئی شخص تمام قوم سے اختلاف کرکر رسم کو نہ توڑے وہ رسم موقوف ہی نہیں ہوسکتی۔ پس یہی ایک طریقہ اختلاف ہے جس سے قوم کی اصلاح وترقی ہوسکتی ہے۔ اور ایسا کرنے والا ہی سچّا خیرخواہ اپنی قوم کا متصوّر ہے۔ پس میں اپنے عزیز ہموطنوں سے کہتا ہوں کہ چُپکے چُپکے اپنے فرقہ کے لوگوں میں بیٹھکر رسموں کو بُرا کہنا اور اُن کی اصلاح ودرستی کے لیئے ساتھیوں کو ڈھونڈنا اور قید سے نکلنے کے لیئے قافلہ کی راہ دیکھنا محض بے فایدہ اور سراپا غلطی ہے جو شخص بہادر ہے اور اپنی قوم کا سچّا خیرخواہ اُسکو خود اس بھاری بیڑی کو توڑکر میدان میں آنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو بھی اس قید سے نکلنے کی جُرأت اور ہمت ہو ٭

اگلے اور حال کے زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی قوم کی بھلائی چاہی اُنھوں نے اسی طریقہ پر عمل کیا ہے۔ اور آج تک دنیا میں کوئی مثال ایسی نہیں ہے کہ بغیر اس طریقہ کے کسی دوسرے طریقہ سے قومی ترقی اور بد رسومات کی اصلاح ہوئی ہو۔ میرا یہ دعوٰے چند عمدہ اور قابل ادب قدیم زمانہ کی مثالوں سے اور نیز جو واقعات کہ اس زمانہ میں گذرے ہیں اُن پر بطور تمثیل غور کرنے سے بخوبی ثابت ہوسکتا ہے ٭

دیکھو اس زمانہ سے ساڑھے اڑتیس سو برس پیشتر "اور کلدانیاں" میں ایک جوان تھا جسکو ابراہیمؑ کہتے تھے۔ اس نے اپنی قوم کو بُت پرستی میں پڑا اور بہت سی بد رسموں میں پھنسا ہوا دیکھا اس کا دل اپنی قوم کی خراب حالت پر جلا۔ خدا نے اس کی مدد کی وہ اپنی قوم کے برخلاف کھڑا ہوا اور پکار کر یہ بول اُٹھا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ؕ۔ تمام قوم نے اُسکو لعنت ملامت کی۔ قتل کرنا چاہا۔ آگ میں ڈالنا چاہا۔ مگر خدا نے اسکو بچایا اور پھر انجام یہ ہوا کہ وُہی ابراہیمؑ تمام دنیا کی قوموں کے لیئے رحمت ٹھیرا۔ صلواۃ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ ٭

پھر خدا کی اس قربانی کی بھیڑ کو دیکھو جس کا اُسی کی قوم نے اپنی دانست میں نہایت بیرحمی اور سنگدلی سے کالوری پہاڑی کے نیچے بیت المقدس کے پاس خون بہایا۔ اس بے گناہ کا یہ گناہ تھا کہ اپنی قوم کی رسومات کی بُرائی کرتا تھا۔ ان کو بد ذاتی اور ریاکاری سے

منع کرتا تھا۔ اسکا یہ گناہ تھا کہ اس نے فروسیوں سے کہا کہ "تم پیالے اور باسن کو باہر سے صاف کرتے ہو پر تمہارا اندر ظلم و بُرائی سے بھرا ہوا ہے"۔ اے فروسیو" تم پر افسوس کہ تم کاریوں کا دسواں حصہ دیتے ہو پر انصاف اور خدا کی محبت سے گذرتے ہو"۔ اے فقیہو " تم پر بھی افسوس کہ جن بوجھوں کا اُٹھانا تمکو مشکل ہے اُسکو لوگوں پر ڈالتے ہو اور اُنگلی تک نہیں لگاتے"۔ یہ سچ ہے کہ راستبازی نے اسکو نہایت مصیبت میں ڈالا اور خود اُسی کی قوم کے ہاتھ سے اُسپر جو کچھ گذرنا تھا گذرا مگر اسکا انجام یہ ہوا کہ تینتیس کروڑ چالیس لاکھ آدمیوں نے اسکو خدا کا اکلوتا بیٹا اور سولہ کروڑ آدمیوں نے اُسکو روح اللہ اور کلمت اللہ جانا۔

دیکھو ریگستان عرب کے ہادی کو جس نے اپنی قوم کو لات و منات و عزیٰ کی پرستش سے چھوڑایا اور اولاد کی قتل سے بچایا گو کہ اُسی کی قوم نے اُسکو ستایا اور وطن سے نکالا مگر انجام کو خدا کا آخری پیغمبر مانا اور اُسی کی بدولت سب نے خدائے واحد کو پہچانا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ٭

سقراط کا واقعہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے اُس نے نہایت نیکی اور نیک دلی سے اپنی قوم کی بھلائی پر کمر باندھی۔ ان کی بدرسموں کی اصلاح چاہی۔ مگر اِسی کی قوم نے اُس پر دیوتاؤں کے بُرا کہنے اور ایتھنز کے نوجوان لڑکوں کے بہکانے کا الزام لگایا۔ یہاں تک کہ زہر کے پیالے سے اُسکو مارا۔ مگر چند روز بھی نہیں گُذرے تھے کہ تمام ایتھنز کے رہنے والوں نے اس کا ماتم کیا اور تمام دیوتاؤں سے اسکو بڑا دیوتا مانا ٭

لوتھر مقدس کا ذکر بھی اس موقع کے مناسب ہے جس نے عیسائی چرچ کی تمام بدرسموں کا مقابلہ کیا اور اپنی سچائی پر نہایت استقلال سے قایم رہا۔ پلاطس کی سیڑھی پر نجات کی اُمید میں گھٹنوں کے بل چڑھتے وقت یہ غیبی آواز اُس کے کان میں آئی۔ کہ "سچے ایمان سے نجات پاوے گا"۔ اسی پر وہ مستقل رہا اور اسی کا وعظ اپنی قوم میں کیا ٭

ونتم برگ کے چوک میں جو آگ جلائی گئی اس سے کچھ خوف نہیں کیا اور پوپ کے برخلاف اتوار کے دن گرجا میں چلا کر بولا کہ "خدا تعالےٰ برخلاف اپنی عدالت اور صداقت کے گناہوں کے بدلے دام نہیں لیتا" ٭

اُسی نے اپنی جان کا خوف نہ کرکے کارڈینل کی اُس گفتگو کے وقت کہ پوپ کو سب باتوں اور ساری چیزوں پر اختیار ہے یہ کہا کہ "ہاں مگر پاک کتاب پر نہیں"۔ اِسی کی قوم نے اِس بھلائی کے عوض اُسکو خوب ستایا اور اُس نے نہایت افسوس سے لکھا کہ "یہ کیسا زمانہ ہے کہ سچائی کا طالب ہونا ایک بڑی تقصیر معلوم ہوتی ہے"۔ مگر آج

وہی لوتھر ہے جس کا نام کروڑوں عیسائیوں کے دل میں نہایت مقدس ہے ؀

امام حجتہ الاسلام غزالی رح کا نام لیئے بغیر میں اس فہرست کو ختم نہیں کرسکتا جنہوں نے اسرار مسائل اسلام کے بیان کرنے میں تا بمقدور اپنی سعی و کوشش کی۔ اگرچہ بڑے بڑے متعصب مولویوں نے اس کے کفر کے فتوے دیئے اور اسکی کتاب احیاء علوم الدین کے جلانے کا حکم دیا اور اُس کے قتل کے احکام جاری ہوئے مگر انجام کار وُہی غزالی امام اور حجتہ الاسلام کے لقب سے پکارا گیا ؀

اس زمانہ میں جو واقعات گذرتے ہیں اور جن کو اس کمرے کے اکثر لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہوگا۔ وہ بھی یہی ہیں کہ جس شخص نے رسومات کی اصلاح و ترقی چاہی فی الفور اُسنے اپنی تمام قوم سے مخالفت کی اور رفتہ رفتہ لوگ اُس کے ساتھی ہوتے گئے ؀

دیکھو راجہ موہن رائے نے کس طرح اپنی قوم سے مخالفت کر کر ہر قسم کی رسومات میں اصلاح کی اور کتنی کچھ نیکی اپنی قوم میں پھیلائی ؀

بابو کیشب چندر سین کا حال سب آپ صاحب جانتے ہیں کہ آفتاب کی مانند جو مشرق سے طلوع کرے اُس کی ذات سے اُس کی قوم میں روشنی پھیلتی جاتی ہے۔ جڑ اس کی یہی ہے کہ اس نے رسومات کی پابندی کو توڑا اور اپنی قوم کی مخالفت سے کچھ نہیں ڈرا ؀

بنگالہ میں ایشر چندر ودیا ساگر کے نام کو اور بمبئی میں وشنو پرسرام شاستری مہاراشٹ برہمن کے نام کو برکت ہو جنہوں نے ہندو بیوہ عورتوں کی شادی کے رواج میں نہایت کوشش کی اور اپنی ذات اور اپنی قوم کی رسم کو توڑا ؀

سریش چندر بھٹاچارجی بھی کچھ کم ادب کے لایق نہیں ہے جس نے صرف زبانی بات چیت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سب سے اوّل خود ایک بیوہ سے شادی کی اور پُرانی رسم کا جو سانپ کی طرح چمٹ رہی تھی سر کچلا ؀

رام تنو لاہیٹری کا نام بھی نہیں بھولا جا سکتا جس نے اپنی قوم کے مجمع میں سُوت کے بٹے ہوئے جنیؤ کو توڑ پھینکا اور سچائی کا سچا جنیؤ اپنے لیئے جانا ؀

کیا ہمارے سب سے پہلے ہندوستانی سویلین ست ایندر ناتھ ٹاگرو کا نام بھولنے کے لایق ہے جو ذات کی نہایت بھاری بیڑی سے آزاد ہوا۔ سمندر کے پار جانے کے گناہ کو ہزاروں نیکیوں سے بھر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ کس خاندان کا یہ شخص ہے۔ یہ اُن عالم برہمنوں میں سے ایک کی اولاد ہے جن کو گوڑ کے راجہ نے قنوج سے بلایا تھا جس کا نام بھٹ نارائن تھا اور جن کی تصنیف کی ہوئی وینی سمہار کتاب موجود ہے ؀

اس کے بزرگوں میں سے ایک شخص کو بنگالہ کے کسی نواب نے دوستانہ طور پر دعوت میں بلایا وہ گیا۔ مگر کھایا نہیں۔ اسپر اُس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ کھانے کی خوشبو سونگھنا آدھے کھانے کے برابر ہے اور اسی سبب سے ذات سے اُسے خارج کر دیا۔ مگر دیکھو زمانہ کی تبدیلی سے اب کتنا فرق ہے۔ ہمارے ہندو دوست ہمارے ساتھ کھاتے نہیں مگر کھانے کے وقت ملتے ہیں۔ میز کے پاس بیٹھتے ہیں۔ دوستانہ بات چیت کرتے ہیں۔ اور کوئی کچھ عیب نہیں سمجھتا ؞

اب اخیر کو میں سوامی دیانند سرستی کا نام لیتا ہوں جس کو مرزاپور کے لوگ بخوبی جانتے ہیں۔ اس کے خیالات کیسے ہی کیوں نہوں اور وید دھرم شاستر کے مطابق ہوں یا نہیں کیونکہ میں اسپر ٹھیک رائے دینے کے قابل نہیں ہوں۔ مگر میں اس بات کی تعریف کرتا ہوں کہ اسکا ارادہ نہایت نیک ہے جو اُس کے دل میں ہے۔ وہ علانیہ کہتا ہے گو اس میں مجھ کو شک ہے کہ وُہی کرتا بھی ہے یا نہیں ؞

اے میرے دوستو۔ یہ زمانہ ایسا ہے کہ ہر ایک کے دل میں تہذیب و شایستگی کی اُمنگ ہے۔ بہت سے لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ہزاروں رسموں کو فضول اور لغو سمجھتے ہیں اور کچھ بھی اُس میں یقین نہیں رکھتے پر کرتے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کے بے نقص ہونے پر یقین کرتے ہیں پر کرتے نہیں۔ ایسی باتوں سے کچھ قوم کی بھلائی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ میری سمجھ میں یہ بھی ایک قسم کی دغا بازی ہے۔ میری نصیحت تم سب کو یہ ہے کہ کرو اُسکو جسپر تمکو دلی یقین ہے اور مت کرو اُسکو جسپر تمکو دلی یقین نہیں۔ یہی اصلی سچائی ہے اور یہی ایک بات ہے جسپر دونوں جہان کی نیکی منحصر ہے۔ خدا تمہارے نیک کاموں میں تمہاری مدد کرے ؞

۱۱

اسپیچ جو ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کو جلسہ صدر انجمن اسلامیہ لاہور میں نسبت مدرسۃ العلوم و تعلیم مسلمانان کی گئی ۔

صدر انجمن اور بزرگان و رئیسان و سرداران پنجاب !

مَیں ایک مدت دراز سے آپ صاحبوں کی زیارت کا اور آپ سب کی ملازمت کا مشتاق تھا اُسی اشتیاق سے میں نے ایک لمبا سفر اختیار کیا اور آج مَیں اپنے تئیں نہایت معزّز و خوش قسمت پاتا ہوں کہ آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ آپ صاحبوں کی ملازمت سے جو عزت کہ مجھ کو حاصل ہوئی میں اپنی تمام زندگی کی کسی ساعت کو اُس سے زیادہ معزز نہیں سمجھتا ۔

ملک پنجاب ایک مشہور و نام آور ملک ہے اُس کی شادابی اور سرسبزی ۔ خوبی اور خوش نمائی تمام ہندوستان میں ضرب المثل ہے ۔ یہ ملک صرف اپنی ملکی خوبیوں ہی کے سبب سے نام آور نہیں ہے بلکہ اس میں ایسے حالات گذرے ہیں جو ایک نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز تاریخی واقعات کو بھی یاد دلاتے ہیں ۔ مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ کا یہ ملک ایک سرچشمہ ہے جس کے دیکھنے سے وہ واقعات جو ہمارے بزرگوں پر گذرے ہیں سب یاد آتے ہیں اس لیئے خیال ہو سکتا ہے کہ ایسے ملک کے دیکھنے کا انسان کے دل میں شوق پیدا ہوا ہو ۔

رئیسان و بزرگان و سرداران ملک پنجاب کی نیکی اور فیاضی اور عالی ہمتی اور اُن کے خاندانوں کی نام آوری بھی دُور دُور ملکوں میں مشہور ہے ۔ ملازمان سرکاری بھی اس ملک کے بہ نسبت دوسرے ملکوں کے زیادہ ترنام آور و معزز ہیں ۔ یہ آپ ہی کے ملک کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کا ملک ایسے سرکاری نوکروں سے جیسے کہ نجم الہند خان بہادر محمد حیات خاں صاحب سی ۔ ایس ۔ آئی ہیں ۔ اور ایسے آفتاب پنجاب جیسے کہ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب ہیں روشن و منور ہے جن کا نام نہ صرف ہند و پنجاب میں مشہور ہے بلکہ اُن مسلمانی ملکوں میں بھی جو پنجاب کے ہم سرحد ہیں اُن کی نیکی و فیاضی اور بہادری اور اخلاق کی شہرت ہے ۔ پس یہ تمام چیزیں انسان کے دل کو

ضرور ایسے بزرگوں کی زیارت و ملازمت کے لیئے کھینچتی ہونگی مگر ان سب باتوں سے زیادہ جس چیز نے میرے دل پر اثر کیا ہے اور آپ صاحبوں کی ملازمت کا مشتاق بنایا ہے وہ ایک ایسی چیز ہے جو ان سب باتوں سے بڑھکر ہے۔ اور جو ہندوستان میں عنقا صفت ہوگئی ہے۔ ہندوستان کے اکثر ملکوں میں اور خصوصاً ہماری قوم میں اُس کا مطلق پتا نہیں ملتا مگر خدا کا شکر ہے کہ مَیں پنجاب میں اُس کا نشان پاتا ہوں۔ وہ چیز کیا ہے۔ قومی ہمدردی ہے۔ اے صاحبان ایسے دل بہت کم ہوں گے جو اس دنیا میں عزت و آبرو کے خواہاں نہ ہوں۔ اور ایسے دل بھی بہت کم ہوں گے کہ جب اُن کو عزت و آبرو کا خیال آتا ہو تو اُن کا دل اس خیال کو اپنی ذات کی طرف نہ کھینچ لیجاتا ہو۔ مگر جب اس نہایت مرغوب معاملہ پر غور کیا جائے تو شخصی عزت کی خواہش ایک بہت بڑی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب تک قومی عزت حاصل نہ ہو اُس وقت تک شخصی عزت کا حاصل ہونا محالات سے ہے۔ اگر ایک کمینہ قوم کا شخص جس کی قوم کے تمام آدمی نہایت ذلت اور خواری اور کمینہ پن سے اپنی اوقات بسر کرتے ہوں جن سے اُس کا ہمیشہ میل جول اور اُنھیں کے ساتھ رہنا اور زندگی بسر کرتا ہے کسی سبب سے کوئی درجہ عزت کا حاصل کرلے تو بلا شک اُس کی بہت بڑی تعریف ہوگی۔ مگر دنیا کی آنکھ میں اُسکو کچھ عزت حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام دنیا میں اُسکی قوم کو اُسی ذلت و خواری اور کمینہ پن کی حالت میں دیکھکر اُس کو بھی اُسی قوم کا ایک خیال کرتی ہے۔ پس شخصی عزت حاصل کرنا بھی درحقیقت قومی عزت پر موقوف ہے اور جب تک قومی ہمدردی نہ ہو قومی عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس جو لوگ قومی ہمدردی اور قومی عزت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ حقیقت میں خود اپنی ہمدردی اور اپنی عزت کی ترقی کرتے ہیں۔ اگر یہ میرا بیان درست ہو تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص اپنی عزت چاہتا ہے (اور یقین ہے کہ ہر کوئی چاہتا ہوگا) اُس پر فرض ہے کہ قومی ہمدردی اور قومی عزت پر کوشش کرے۔

اَب میں آپ صاحبوں کے خیال کو اپنی قوم کی حالت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں اور یہ خواہش کرتا ہوں کہ ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دلوں کی طرف متوجہ ہوجیے اور خیال کیجیے کہ ہماری قوم کا کیا حال تھا اور اب کیا ہے اور آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ پچھلا حال جو تھا وہ گذر گیا۔ اُس کے ذکر پر وہی مثل صادق آویگی کہ "دو چیز در دو چیز راست نیاید۔ ذکر جوانی در پیری و ذکر تونگری در فقیری" مگر موجودہ حال پر نظر کیجیے کہ کیا ہے۔ کیونکہ بڑے تجربہ کاروں کا قول ہے کہ

آدمی را بچشمِ حال نگر ∗ از خیالِ پری و دے بگذ

اور آیندہ جو حال ہونے والا ہے اُسکی فکر کیجئے - کیونکہ ع

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

موجودہ حالت ہم مُسلمانوں کی یہ ہے کہ ہندوستان میں جتنی قومیں اس وقت موجود ہیں اُنمیں سب سے زیادہ خوار اور ابتر حالت میں ہے دو چار رئیسوں پر خیال مت کرو جن کو خدا تعالےٰ ہمیشہ باعزت و با اقبال رکھے بلکہ قوم پر خیال کرو کیونکہ موازنہ ترقی و تنزل کا اشخاص پر خیال نہیں کیا جا سکتا بلکہ قوم پر خیال ہوتا ہے *

ہندوستان میں سب سے زیادہ عزت ہماری قوم کے اُن بزرگوں اور خدا پرستوں سے تھی جن کے الفاظ متبرکہ سے ہر ایک کے دل کو روشنی ہوتی تھی اور سچائی اور راستبازی نیکی و خدا پرستی - محبت و رحمدلی روز بروز ترقی پاتی تھی - مگر اب آنکھ اُٹھا کر دیکھو کہ تمام خانقاہیں جو ایسے بزرگوں کی ذات سے آباد تھیں سب ویران پڑی ہیں - وہ دینی شان و شوکت قوم کی جو اُن بزرگوں کی ذات سے تھی کیسی ابتر و خراب حالت میں متبدل ہو گئی ہے *

دوسرا فرقہ ہماری قوم کا جن سے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی عزت تھی وہ ہماری قوم کے علماء کبار تھے جن سے مسائل دینی و معاشرت دنیوی میں ہماری قوم کو بڑی عزت و شہرت تھی - مگر اب دیکھو کہ شہر کے شہر اور قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں جن میں نہایت کثرت سے اس قسم کے علماء موجود تھے سب کے سب خالی پڑے ہیں - دو چار عالم جو کہیں سُنے جاتے ہیں وہ زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ کبّرنا موت الکبراء پس کیسی افسوس کی بات ہے کہ علم جس میں ہمارے بزرگوں نے تمام دنیا میں شہرت پائی تھی اُسکو بھی کھو بیٹھتے ہیں *

اب ہماری قوم کے سرداروں اور نوابوں - رئیسوں اور جاگیرداروں پر خیال کرو جو باعتبار جاہ و حشم دنیاوی کے ہماری قوم کی قومی عزت کا سبب تھے بڑے بڑے خاندانوں کو نہایت تباہ حالت میں پاؤگے بلکہ جو جتنا بڑا تھا اُتنی ہی بڑی تباہی میں ہے - علم سے اُن کو آشنائی نہیں ہے - تدبیر منزل اور روحانی خوشی سے اُن کو کام نہیں ہے - جاہ و حشم - مال و دولت برباد ہو گیا ہے یا ہوتا جاتا ہے - دس پانچ خوشامدی اُن کے پُرانے نام کو گاتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں یا کسی مہاجن و ساہوکار کے گھر میں سود در سُود کے حساب میں اور دن دونے رات چوگنے کے پھیر میں اُن کا مال اور اُن کی دولت جاتی ہے *

تجارت جو بڑا وسیلہ دولت و سیاحت کا ہے وہ ہماری قوم میں بالکل نہیں ہے کُل ہندوستان کے مُسلمان تجارت پیشوں کی اگر تعداد بمشکل حاصل بھی کیجاوے تو وہ ایسی قلیل و ذلیل ہوگی جس کو بیان کرتے بھی شرم آویگی چند معدود مسلمان جو تجارت کرتے ہیں اُن کی

بڑی سے بڑی تجارت یہ ہے کہ غیر ملک اور غیر قوم کے لوگ جو کلکتہ اور بمبئی میں مال لاتے ہیں اُن کو نفع دیکر خریدتے ہیں اور پھر اپنے ہی مُلک میں اپنے بھائی بندوں کے ہاتھ نفع پر بیچتے ہیں پس اُن سے بعوض اس کے کہ قوم کو فایدہ پُہنچے اُلٹا نقصان پہونچتا ہے بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو اپنے ملک کی پیداوار غیر مُلک کے لوگوں کے ہاتھ بیچتے ہیں مگر زیادہ سفر کرنا نہیں چاہتے اُنھیں کے مُلک کے کنارے پر اگر کوئی خریدار ہاتھ آجاوے تو برابر برابر یا نہایت قلیل نفع پر بیچڈالتے ہیں اور خریدار اُس مال کو دوسرے مُلک میں لیجاتا ہے اور نفع کثیر اُٹھاتا ہے جو نفع کہ ہماری قوم کو اپنے ملک کی پیداوار کو دوسرے ملک میں لیجاکر اُٹھانا چاہیئے تھا وہ نفع ہمارے ملک کی پیداوار سے دوسری قوم اُٹھاتی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ہماری قوم علوم تاریخ سے جغرافیہ سے دوسری قوم کی تجارت سے دوسرے مُلکوں کے حالات سے علوم وفنون تجارت سے محض ناواقف ہے۔ جو طریقہ تجارت کا اگلے زمانہ میں ایسے طور پر تھا جیسے کہ کوئی مزدور اسباب اِدھر سے ڈھوکر اُدھر پُہنچاوے اور اپنی محنت کا معاوضہ حاصل کرلے جسمیں چنداں علم وہُنر کی حاجت نہ تھی وہ طریقہ اب نہیں ہے۔ اِس زمانے کی تجارت بھی بغیر علوم وفنون حاصل کیئے نہیں چلتی۔ یُورپ کے مُلکوں کی تجارت کے حالات پر آپ غور کیجئے کہ کس قدر علم وہنر تجارت میں بھی درکار ہے۔ علاوہ ان پیچیدہ حسابوں اور تجارت کے کارخانوں کی نگرانی کے اپنے کارخانہ میں ہر دم ترقی کرنے اور اُسکو عام لوگوں کے لیئے زیادہ مفید کرنے کی فکر رہتی ہے۔ ایک دیاسلائی والا ایک ایسی قسم کی دیاسلائی نکالتا ہے جو نہایت مفید اور سب سے عمدہ ہے اُسی وقت تمام دیاسلائی والوں کا کارخانہ مدھم ہوجاتا ہے اور اُن کو ضرور ہوتا ہے کہ اپنے کارخانہ کی دیاسلائی میں کچھ ایسی ترقی کریں جو اُس سے زیادہ مفید ہو اور جب وہ اُس میں ترقی کرلیتے ہیں تو پھر دوسرے شخص کو اپنے کارخانہ کی رونق کے لیئے اُس سے بھی زیادہ عمدہ ومفید اصلاح اپنے کارخانہ کی دیاسلائی میں دینے کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ کارخانہ ابتر ہوجاتا ہے اور یہی حال تمام تجارت کے کارخانوں کا ہے۔ اگر ہماری قوم علوم وفنون سے واقف ہوجاوے تو اُن کے لیئے بھی ابھی ہندوستان ہی میں اُس قدر دولت اور دولت کے خزانے موجود ہیں کہ پُشتوں تک بھی اُن کا ختم ہونا ممکن نہیں مگر ہم اپنی بے علمی کے سبب اُن سے فایدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ بالکل ہماری ایسی مثال ہے کہ کسی کے بزرگوں کی دولت کسی مقام پر گڑی ہو اور اُس کو اُس کی خبر نہ ہو ٭

تجارت کے بعد زراعت ایک بہت عمدہ طریقہ دولت اور مُلک کی آبادی کا ہے ہمنے

علم فلاحت میں بہ نسبت زمانہ سابق کے کچھ تنزل نہیں کیا بلکہ جیسے تھے ویسے ہی ہیں مگر اس سبب سے کہ بہ نسبت سابق کے بعض کاموں کی زیادہ ضرورت پیش آئی ہے اور اُس ضرورت کے انجام کی لیاقت ہم میں نہیں ہے زراعت میں بھی ہم نے بہت کچھ نقصان اُٹھایا ہے ۔

اگلے زمانہ میں بہ نسبت حال کے زمین مزروعہ بہت کم تھی۔ جنگل نہایت زیادہ تھے میدان کے میدان بے تردد پڑے تھے اس زمانہ میں جو ہر طرح کا امن ہے اراضی مزروعہ کثرت سے ہوگئی ہے جس کا انجام بلا ذریعہ کلوں کے دشوار ہے۔ ہم کلوں کے نام بھی نہیں جانتے اُن سے کام لینا ہمکو مطلق نہیں آتا۔ اس مجبوری سے ہم نے اپنی محنت کو جو پہلے ایک بیگہ پر صرف ہوتی تھی وہ دس بیگہ پر صرف کیا ہے اور دسوں بیگہ کی زراعت و پیداوار خراب ہوگئی ہے۔ شمال مغربی اضلاع اور مُلک اودھ کے بعض زمینداروں و تعلقداروں نے زراعت کے لیئے ولایتی کلیں مول لی ہیں۔ مثلاً اکثروں نے پمپ مول لیئے ہیں کہ ہماری طرف آبپاشی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اُن پمپوں کو جبتک کوئی انگریز چلاتا ہے تب تک تو خوب چلتے ہیں اور جہاں وہ گیا اور ہندوستانی صاحبوں کے ہاتھ میں آیا اور بند ہوا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ہم لوگ اُس فن سے واقف نہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ پمپ سے پانی کیوں اوپر اُٹھ آتا ہے اور کیا چیز بگڑ جاتی ہے جس سے نہیں اُٹھتا۔ اگر ایک انگریز کو دو سو ڈیڑھ سو روپیہ ماہواری ایک پمپ چلانے پر دیں تو کہاں سے لاویں اور کیا فایدہ اُٹھاویں۔ اگر ہمارے ہندوستان کی قوم اُن علوم و فنون سے واقف ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ زراعت میں بھی بسبب استعمال کلوں کے کس قدر ترقی ہو سکتی ہے ۔

سب سے ذلیل اور ناپسندیدہ ذریعہ حصول معاش کا نوکری تھا اب وہ بھی ہماری قوم سے چھن گیا اور روز بروز چھنتا جاتا ہے۔ مَیں اِس بات کا الزام ہرگز گورنمنٹ پر نہیں دیتا۔ اُس نے جو کچھ کیا ہے بلاشبہ بالکل مطابق مصلحت ملکداری کے کیا ہے اور اُسکا نہایت انصاف ہے کہ اُس نے ایک دروازہ عالی شان کھول دیا ہے اور بلا رعایت قومی اجازت دی ہے کہ جو کوئی اس دروازہ میں آوے وُہی مرتبہ پاوے۔ جس قوم نے اپنے تئیں اُس دروازہ میں داخل ہونے کے لایق کیا وہ داخل ہوئی اور داخل ہوتی جاتی ہے۔ ہماری قوم نے اپنے تئیں اس لایق نہیں کیا وہ محروم ہے۔ شمال مغربی اضلاع میں دو چار اور پنجاب میں دس پانچ مسلمان آج معزز عہدوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ہم لوگ

اپنی قوم کی فکر نہ کریں گے اور اُس کی ترقی کے سامان بہم نہ پہنچائینگے اور جو لیاقتیں ایسے عہدوں کے لیئے درکار ہیں حاصل نہ کرینگے تو اُن چند عہدہ داروں کے بعد مسلمانوں کا خاتمہ بالخیر ہے شاید دس بیس آدمی چپراسی پیادوں میں دکھائی دیں ورنہ سب کی گھاس کھودنے کی نوبت آویگی - اے صاحبان - جبکہ ہماری قوم کا ایسا بدتر حال ہے کیا ہم سب کا یہ فرض نہیں ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی قوم کے سنبھالنے میں کوشش کریں ٭

میں نے اپنی اس گفتگو میں کئی جگہ "عزت قومی" کا ذکر کیا مگر میں نے یہ نہ بیان کیا کہ عزت قومی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اگر قومی عزت سے دنیاوی جاہ و حشم کا ہونا مراد لیا جاوے تو یہ غیر ممکن ہے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے اور نہ ہوگی کہ تمام قوم دولت و حشمت سے مالا مال ہو - مگر میری مراد قومی عزت سے ایسی حالت کا ہونا ہے جسمیں قوم درجہ بدرجہ آسودہ حال ہو اکثر لوگ زیور علم و ہنر و اخلاق سے آراستہ ہوں علوم و فنون جو دنیا میں جاری ہیں صنایع و بدایع جو روز بروز دنیا میں پھیلتے جاتے ہیں اُس قوم میں بھی موجود ہوں آپس میں قوموں کا رابطہ و اتحاد اور میل جول جو تہذیب و شایستگی کی بنیاد ہے ملکوں کی سیاحت اور قوموں کے حالات سے واقفیت جو سرچشمہ تمام نیکیوں اور ترقیوں کا ہے اُس قوم کے لوگوں میں پایا جاتا ہو - متانت اور نیکی سچائی - رحم و رحمدلی - ہمدردی و خدا پرستی جو عمدہ انسانی خصلتوں میں سے ہیں اُن میں بھی موجود ہوں - اِن باتوں سے صرف دنیاوی عزت ہی قوم کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ دینی عزت کا باعث بھی یہی امور ہیں - غور کرو کہ ہر ایک قوم کے لیئے اُسکا مذہب بمنزلہ ایک روحانی معلم کے ہے - اور اُس مذہب کی خوبی اُس کے پیروؤں کے حال کی بھلائی یا بُرائی سے ثابت ہوتی ہے - پس اگر کوئی قوم ایسی عمدہ و نیک حالت میں ہو جیسے کہ میں نے ابھی بیان کی تو بلاشبہ وہ ایک بڑی دلیل مذہبی عزت کی بھی ہے - خدا کا شکر ہے کہ ہماری قوم کو جو مذہب خدا نے عطا کیا ہے وہ مجموعہ ان تمام خوبیوں کا ہے - پس اگر ہم ایسی کوشش نہ کریں کہ ہماری قوم اپنے تئیں نمونہ ان خوبیوں کا بناوے تو درحقیقت ہم نے اپنے مذہب کی بھی خیرخواہی نہیں کی مزید برآں یہ ہے کہ جب کسی قوم کی ایسی حالت ہو جاتی ہے تو دنیاوی دولت بھی اُس کی لونڈی بن جاتی اور تمام قوم درجہ بدرجہ اپنی حالت کے آسودہ و خوشحال ہو جاتی ہے - میری سمجھ میں اگر وہ غلط نہ ہو تو ہماری قوم کا اِن سب باتوں میں خراب حال ہے اور غالباً کوئی شخص جو قومی ہمدردی رکھتا ہوگا اس سے انکار نہ کرے گا - پس قوم کی اسی خراب حالت نے میرے دل کو بے چین کر رکھا ہے اور میں دربدر پڑا پھرتا ہوں -

یہ صدا لگتا ہو کہ بھائیو جاگو ہوشیار ہو۔ اپنی قوم کی خبر لو۔ ورنہ تھوڑی دیر میں ایسا حال ہوجائیگا کہ تم خبر لینی چاہو گے اور خبر لینے کے قابل بھی نہ رہو گے۔

"قومی ترقی" اور "قومی عزت" حاصل کرنے کے دو ذریعہ ہیں۔ اوّل امن و امان ملک میں۔ دوسرے تعلیم و تربیت قوم میں۔

ہمکو درحقیقت نہایت سچے دل سے خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ انگریزی گورنمنٹ سے جس قدر کہ ملک میں امن و امان اور رعایا میں آزادی ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی گورنمنٹ میں نہیں ہے۔ میں نہایت دلی یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ جن عمدہ اصولوں پر انگریزی گورنمنٹ ہے اُس سے زیادہ عمدہ اصول گورنمنٹ کے لیئے ہو نہیں سکتے جیسے رعایا کے حقوق اور اُن کی دولت اور اُن کی جان اور اُن کی آزادی اس گورنمنٹ میں محفوظ ہے دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ مسلمانی عملداریاں جو پنجاب کے ہمسایہ میں ہیں اُن کے حالات و واقعات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ رشیا یعنے رُوس کے حالات اور اُس کی خودمختاری تمام دنیا کو معلوم ہے اور بخارا و خیوا کے واقعات نے اَور بھی زیادہ اُسکو ظاہر کردیا ہے ایران کی عملداری کا حال بھی آپ صاحبوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جرمن اور فرانس اور اٹلی اور آسٹریا اور اَور چھوٹی چھوٹی یوروپ کی سلطنتیں ایسی امن کی اور اپنی رعایا کو ایسی آزادی رکھنے والی نہیں ہیں۔ ترکی اور ایجپٹ اور ٹونس میں کسی قدر فرانس کی گورنمنٹ کی تقلید شروع ہوئی ہے مگر جتنا امن اور رعایا کی آزادی فرنچ میں تھی حالانکہ وہ نہایت ڈسپاٹک اور جابر گورنمنٹ تھی ابھی اُس رتبہ کو بھی وہ سلطنت نہیں پہونچی چہ جاے اسکے کہ انگریزی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا جاوے۔ امریکہ کی گورنمنٹ کو لوگ اچھا بتلاتے ہیں مگر میری رائے میں اُس کے اصول بھی انگریزی گورنمنٹ سے زیادہ عمدہ نہیں ہیں۔ شاید میری اس بات کو لوگوں نے خیال کیا ہوگا کہ انگریزی گورنمنٹ کی خوشامد سے کہی ہے اگر کسی نے ایسا خیال کیا ہو تو درحقیقت نہایت افسوس کی بات ہوگی۔ کیونکہ میرا یہ خیال ہے کہ جس گورنمنٹ کی رعایا کے دل میں یہ بات ہو کہ گورنمنٹ خوشامد کی بات سے خوش اور برخلاف بات سے ناراض ہوگی تو اُس سے زیادہ بدتر کوئی گورنمنٹ نہیں ہوسکتی۔ اگر انگلش گورنمنٹ ایسی ہو تو اُس کی حکومت اور ایک ناتربیت یافتہ گورنمنٹ کی حکومت میں کچھ فرق نہوگا پس یہ جو کچھ کہ میں نے گورنمنٹ کی نسبت کہا یہ واقعی میرا دل کا خیال ہے۔ اگر ایسی پُرامن گورنمنٹ میں بھی ہم اپنی قومی ترقی نہ کریں گے تو اس سے زیادہ کوئی بدنصیبی ہم لوگوں کی نہ ہوگی۔

ٹونس جس کا میں نے ابھی نام لیا ایک چھوٹی سی مسلمانی سلطنت افریقہ کے شمالی کنارے پر ہے جہاں کا حکمران بی آف ٹونس کہلاتا ہے۔ سید خیر الدین جو ایک نہایت ذی علم شخص ہے اُس کا ایک وزیر ہے جو مدت تک یوروپ میں رہا ہے۔ اُس نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام اقوام المسالک ہے۔ اور یہ میرے ہاتھ میں موجود ہے اور اُس کا اُردو ترجمہ بھی جناب خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر پٹیالہ کی فیاضی سے چھپ رہا ہے جسکے یہ اوراق میرے پاس ہیں۔ اُس وزیر نے اپنی کتاب میں یہ ایک فقرہ لکھا ہے جو میں آپ صاحبوں کے روبرو پڑھتا ہوں "جو سلطنتیں رعایا کو کسی قسم کی آزادی دیں خواہ وہ آزادی شخصی ہی کیوں نہ ہو اُن پر واجب ہے کہ وہ آزادی کی خوبیاں اور اُس کے نتایج کو بھی دیکھتی رہیں اور اُس سے کچھ فایدہ بھی اُٹھاویں یعنی علوم و فنون کا شیوع کریں اور جملہ قسم کی صناعیوں کو جاری کریں جن کے اصول یہ چار ہیں۔ ایک فلاحت۔ دوسری تجارت۔ تیسرے محنت۔ چوتھے فکر۔ اور انھیں چاروں اُصولوں پر تمام انسانی ہمتیں اور دنیاوی بہبودی موقوف ہے" پس میرا یہ مقصد ہے کہ ہماری قوم اس عالم مسلمان وزیر کی نصیحت پر عمل کرے اور سب لوگ اِس پُر امن اور آزاد گورنمنٹ کے عہد میں جو ملکہ معظمہ وکٹوریا دام ملکہا کے سایہ عاطفت سے ہندوستان میں ہے اپنی قومی ترقی میں نہایت طمانیت سے کوشش کریں اور ملکہ معظمہ کی جان کو دُعا دیا کریں۔

دوسرا ذریعہ قومی عزت اور قومی ترقی کا میں نے تعلیم و تربیت کو بیان کیا ہے۔ اسکا ثبوت علانیہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جن جن قوموں نے تعلیم و تربیت میں ترقی کی ہے وُہی قومیں دنیا میں ترقی و عزت پر ہیں اور مال و دولت وجاہ و حشمت سے بھی نہال ہیں۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا پس اب ہمکو اپنی قوم کی ترقی دولت و عزت کے لیئے جو کچھ تدبیر کرنی ہے وہ یہی ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت کے لیئے نہایت عُمدہ اور نہایت مفید سامان مہیا کریں۔ بعض بزرگوں کا جو ہماری تدبیروں سے اختلاف رائے رکھتے ہیں یہ خیال ہے کہ ہندوستان میں ہماری قوم کی تعلیم و تربیت کے لیئے کافی سامان موجود ہے اور جو علوم کہ ہم ہمیشہ پڑھتے آئے ہیں وُہی علوم اس زمانہ میں بھی ہماری قومی عزت اور قومی ترقی کے لیئے کافی ہیں۔ اگر یہی رائے اور کسی صاحب کی بھی ہو تو مجبوری کی بات ہے کیونکہ اس امر کی غایت صرف ایک اختلاف رائے ہے مگر میں آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کیا درحقیقت اُن لوگوں کی یہ رائے صحیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ہماری قوم کے لیئے تعلیم و تربیت کا کچھ بھی سامان

ھندوستان میں موجود نہیں ہے۔ چھوٹے موٹے مکتب جو لوگوں نے تھوڑے تھوڑے ماہواری یا ششماہی چندہ سے قایم کیئے ہیں اور جن میں ایک بے ترغیب اور غیر مفید تعلیم ہوتی ہے اور بوڑھے بوڑھے شخص اُن میں کافیہ اور منیہ قدوری پڑھتے ہیں اور مسجدوں میں سے یا لوگوں کے گھروں میں سے روٹی پاتے ہیں۔ کیا یہ سامان ہماری قومی تعلیم و قومی تربیت و قومی عزت کے لیئے کافی ہیں۔ حاشا و کلا۔ علوم دینی جو اُن میں پڑھائے جاتے ہیں اگرچہ بہ حقیقت وہ بھی کافی نہیں ہیں لیکن مَیں قبول کرتا ہوں کہ جسقدر پڑھائے جاتے ہیں وہ فایدے سے خالی نہیں مگر اَور دنیاوی علوم جو ہماری زندگی کے لیئے مثل غذا کے ضروری ہیں اُن کا کیا بندوبست ہے اور اُن کی کیا تعلیم ہے۔ اب وہ زمانہ اور وہ وقت نہیں ہے کہ تصور و تصدیق اور ہیولےٰ و صورت کی بحث میں عمریں کی عمریں ضایع کر دیجاویں۔ قدیم علوم پڑھے ہوئے عالم جو اس زمانہ میں موجود ہیں مہربانی سے مجھ کو بتاؤ کہ اس دنیا میں کس کام کے ہیں اور اُن کی ذات مبارک سے قوم کو مُلک کو مُلک کے لوگوں کو کیا فایدہ پہونچتا ہے۔ ہم صبر کرتے اور کہتے ہیں کہ جانے دو اُن سے قوم کو مُلک کو فایدہ نہ ہوا نہ سہی۔ اُن کی ذات کو تو اُس سے فایدہ ہوا ہوگا۔ مگر سخت افسوس یہ ہے کہ اُن کی ذات کو بھی کسی فایدہ کا ہونا معلوم نہیں ہوتا اُن سے پوچھو کہ اُنھوں نے اُن علوم کو حاصل کر کر کیا واقفیت اپنے میں پیدا کی کن چیزوں کی حقیقت واقعی سے واقف ہوئے خدا نے جو عجیب عجیب چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں اور جن کی حقیقت اور حالت اور بناوٹ کی حکمت جاننے سے خدا تعالے کی قدرت پر اُس کے کمال پر اُس کی بے انتہا حکمت پر خوبی تصدیق حاصل ہوتی ہے اُن میں سے کس چیز کی حقیقت سے واقفیت پیدا کی ہے۔ البتہ چند لفظوں کے فرضی معنی قرار دیکر اُن کے اُلٹ پھیر کے سوا اَور کچھ نہیں آیا ✽

میرے ایک دوست کا ایک رشتہ دار دیوبند ضلع سہارنپور کے مدرسہ میں جو لوگوں نے ماہواری یا سالانہ چندہ سے اُنھیں قدیم علموں کی تعلیم کے لیئے قایم ہے تعلیم پاتا تھا اُسنے تمام علوم پڑھکر فراغت حاصل کی فضیلت کی پگڑی سر پر باندھی۔ مدرسہ سے علٰحدہ ہو کر اُس نے میرے دوست کو لکھا کہ اب مَیں کیا کروں میرے دوست نے جو اُن کا رشتہ مند ہے جواب دیا کہ دنیا میں کام آنے کے لایق تو تم نے کوئی چیز سیکھی نہیں اب بجز اس کے اَور کچھ چارہ نہیں کہ کسی مسجد یا چوپال میں جاکر بیٹھو اور مُردوں کے فاتحوں کی اور جمعرات کی روٹی پر گذر کرو۔ اور دن رات اُنھیں الفاظ کو یاد کرتے رہو جو بجز فرضی اور اصطلاحی معنیوں کے اَور کوئی حقیقت اصلی نہیں رکھتے ✽

قطع نظر ان سب باتوں کے آپ سب صاحب ان مدرسوں کے حالات سے بخوبی

واقف ہیں آیا اُن میں جو لوگ تعلیم پاتے ہیں اُن سے کچھ بھی قومی ترقی اور قومی عزت کی توقع ہونے کی غیرت - دلیری - دل کی بہادری - خود اپنی آپ عزت کرنی - دل کا جوش - طبیعت کی عمدگی - عالی ہمتی - ہمدردی - ولولہ جو اصل اصول قومی عزت و قومی ہمدردی کے ہیں ان مدرسوں کے طالب علموں میں ہونے کی (جو خود نہایت قابل افسوس حالت میں گذر کرتے ہیں) حاشا وکلّا ۔

علاوہ اس کے آپ خیال فرماویں کہ وہ مکتب ایسی حالت میں ہیں کہ شریف خاندانوں کو اُن کی حالت پر بخوبی طمانیت ہو اور اپنی اولاد کو جن کو وہ جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں اپنا گھر چھوڑ کر اُن مکتبوں میں پڑھنے اور مسجدوں میں یا کسی شخص کے دروازے کی کوٹھری میں رہنے کے لیئے پردیس میں بھیجدیں اگر یہ سب باتیں اُن مکتبوں میں موجود بھی ہوں تو آپ سب صاحب یقینی اس بات کو تسلیم فرماتے ہوں گے کہ تعلیم سے بھی زیادہ مقدم تربیت ہے - پس کیا طریقہ و کیا ذریعہ لڑکوں کی تربیت کا اُن مکتبوں میں ہے جس سے ہمکو اپنی اولاد کی اور اپنی قوم کی بھلائی کی اُمید ہو - اصل یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان میں کسی زمانہ میں قومی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ تھا - امیروں اور دولتمندوں کے لڑکے پڑھنے لکھنے سے بہت ہی کم سروکار رکھتے تھے - متوسط درجہ کے اشراف خاندان بھی لکھنے پڑھنے کو کوئی عمدہ چیز نہیں سمجھتے تھے - ادنےٰ درجہ کے خاندان کے لوگ بجز سپاہی پیشہ ہونے کے اَور کچھ نہیں جانتے تھے - معدودے چند خاندان تھے جن کے یہاں مثل اور پیشوں کے پڑھنے لکھنے کا پیشہ ہوتا آتا تھا وہ لوگ بھی درحقیقت بطور ایک پیشہ کے اُسکو کام میں لاتے تھے وہ لوگ چند محتاج طالب علموں کو اپنے یہاں جمع کر کے اُن کو پڑھاتے تھے اور امیر لوگ یہ سمجھکر کہ اُن کے مدرسہ میں یا خانقاہ میں محتاج لوگ جمع رہتے ہیں کچھ روپیہ بطور خیرات کے بھیجتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ محتاج طالب علموں کی روٹی کپڑا میں خرچ ہوگا اور دینے والا سمجھتا تھا کہ جس طرح اَور خیرات دینے میں ثواب ہوتا ہے اسی طرح اس خیرات کا بھی ثواب ہوگا - وُہی خیالات اور وُہی عادتیں ابتک لوگوں کے دلوں میں جمی ہوئی ہیں - وہ جانتے ہی نہیں کہ قومی تعلیم و تربیت کیا چیز ہے اور وہ کس طرح ہو سکتی ہے اور قوم کو کس طرح اُسپر متوجہ ہونا لازم ہے - اب عنقریب ہمارے دوست خان بہادر محمد حیات خاں صاحب ولایت تشریف لے جانے والے ہیں اور ضرور کیمبرج اور آکسفورڈ کا بھی ملاحظہ کرینگے اور مجھ سے زیادہ اپنی قوم اور اپنی قوم کی حالت پر افسوس فرماویں گے آپ سُن کر تعجب کرینگے کہ صرف کیمبرج کے مدرسوں کی جائداد اِسقدر ہے کہ جس کی آمدنی مہاراجہ سیندھیا کی تمام سلطنت کی آمدنی سے زیادہ ہے اور یہ جائداد صرف قوم نے

اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے لیئے دی ہے اُس کا نتیجہ یہ ہے جو آج ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اگر ہماری قوم اُس ضرورت پر خیال کرے جو اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیئے ہے اور یہ بھی ہماری قوم کے دل میں کسی طرح سما جاوے کہ نہایت عمدہ اصول پر مدرسۃ العلوم قایم کیئے بغیر ہماری اولاد کی تعلیم و تربیت غیر ممکن ہے تو ایک مدرسۃ العلوم کیا بیسوں مدرسۃ العلوم قایم ہوسکتے ہیں خدا کرے کہ ہماری قوم سمجھے اور اس طرف متوجہ ہو ۔

ان مکتبوں کے سوا سرکاری مدرسہ ہیں او پنجاب میں بالتخصیص ایشیا کی زبانوں کی ترقی کرنے کا بھی بندوبست ہے جو بزرگ ہماری رائے کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ سرکاری مدرسے ہمارے لیئے کافی ہیں مگر اُن کا دل خوب جانتا ہے کہ ہماری مخالفت اُن سے یہ باتیں کہواتی ہے ورنہ وہ یقین جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی اغراض کے لیئے یہ سرکاری مدرسے کافی نہیں ہیں اگر میں اُس کی تفصیل اور وجوہات اور اُن کے اسباب کا بیان کروں کہ کیوں یہ سرکاری مدرسے ہماری اغراض کے لیئے کافی نہیں ہیں تو بہت لمبی گفتگو ہو جاوئیگی اور مجھے خوف ہے کہ میں اُس کو آج ختم بھی نہ کرسکوں گا۔ مگر میں ایک نتیجہ پر آپ صاحبوں کو متوجہ کرتا ہوں جس سے تصفیہ ہو جاوے گا کہ یہ سرکاری مدرسے ہماری دینی و دنیوی اغراض کے لیئے کافی ہیں یا نہیں۔ پس میں سوال کرتا ہوں کہ ہماری قوم کے لوگ ان سرکاری مدرسوں سے دل سے وابستہ ہیں۔ نہیں۔ ہماری قوم کے لڑکے بقدر تعداد واجب ان مدرسوں میں جاتے ہیں اور تعلیم پاتے ہیں۔ نہیں۔ ہماری قوم کے لڑکوں نے سوائے دو تین کے ان مدرسوں کی بدولت یونی ورسٹی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ نہیں۔ کوئی انجنیئر بنا ہے نہیں۔ کسی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری پائی ہے۔ نہیں۔ کسی نے ان مدرسوں میں علم ادب ایسا سیکھا ہے جو ادیب کہلایا جاسکتا ہو۔ نہیں ۔

پس جبکہ یہ نتیجہ ہے تو صاف ثابت ہے کہ کچھ تو ان مدارس میں ایسی بات ہے جو ہماری اغراض کے لیئے کافی نہیں۔ ورنہ ہم لوگ اُن سے گرویدہ ہوتے اور جن سوالوں کا جواب نا ہوا ہے سب کا ہاں ہوتا۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ہماری قوم کے جن لوگوں نے ان مدرسوں میں تعلیم پائی ہے آخر کچھ بھی اُنھوں نے کیا ہے۔ ہاں یہ کیا ہے کہ کسی اسکول میں اُنھیں پڑھی ہوئی کتابوں کے طوطے کی طرح پڑھانے کے لیئے یا کسی دفتر میں چٹھیات کے اس طرح نقل کرنے کے لیئے جس کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آسکے لیاقت پیدا کی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض تو اپنے مذہب کا ایک مسئلہ تک نہیں جانتے اور بعضے مذہب ہی کو سلام کرتے ہیں۔ پس اب انصاف کرو کہ کیا یہ بات سچ ہے

کہ یہ مدرسے ہماری تمام اغراض کے لیئے کافی ہیں اور کیا ان مدرسوں کی تعلیم سے ہمکو اپنی قومی عزت و قومی ترقی کی توقع ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اے صاحبان میں اوپر ثابت کرآیا ہوں کہ عمدہ تعلیم و تربیت ہی قومی عزت اور قومی ترقی کا اصلی ذریعہ ہے۔ مگر کوئی قوم عزت نہیں پاسکتی جب تک کہ تعلیم ایک مقدار مناسب سے اُس قوم میں رائج نہ ہو اور اُس مقدار مناسب کا اندازہ حسب تفصیل ذیل ہوسکتا ہے۔ ضرور ہے کہ اُس قوم میں ایک گروہ معتدبہ اعلیٰ درجہ تعلیم کا ایسا پیدا ہو جس میں سے کوئی کسی علم میں اور کوئی کسی علم میں دستگاہ کامل رکھتا ہو اور اسی طرح تمام علوم کے کامل لوگ اُس قوم میں موجود ہوں جن کی عقل و فہم اور سعی و کوشش سے علم و فن کو روز بروز ترقی ہو اور جن کے نام سے ہماری قوم کو عزت اور فخر ہو اور پھر اُن لوگوں کی تعداد بھی ایسی ہو جن پر اطلاق النادر کالمعدوم کا نہ ہو۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا گروہ متوسط درجہ تعلیم کا اُس قوم میں ہونا چاہیئے جو عالی رتبہ مصنفوں کی علمی تصنیفات کو نہایت عمدگی سے جانتا ہو اور ہر ایک دقیقہ اور باریک باریک اصول سے بخوبی واقف ہو اور تعلیم کے ذریعہ سے وہ سب باتیں اپنی قوم کو سکھلا سکتا ہو۔ اس گروہ کی تعداد ایسی ہونی چاہیئے کہ بلحاظ قومی تعداد کے ایک مناسب مناسبت رکھتی ہو۔ اس کے بعد ادنئے درجہ تعلیم کا ہے مگر اُس میں بھی تین قسم کے گروہوں کا ہونا ضرور ہے۔ ایک گروہ ایسا ہو جو کل قوم سے تعداد میں ایک مناسبت معقول رکھتا ہو اور اُس نے اسقدر تعلیم پائی ہو کہ خاص اپنی عقل و علم سے اپنے کاموں کو انجام دیسکے۔ اس کے بعد اس درجہ کے ایسے لوگ بہ تعداد کثیر ہونے چاہئیں جو اپنے دنیوی ضروری کاموں کا انجام بخوبی تمام کرسکتے ہوں اور جو کہ یہ لوگ محض جاہل نہیں ہونے کے تو ضرور ان میں اسقدر علم کی روشنی ہوگی کہ جو ترقیاں علوم و فنون میں ہر روز ہوتی جاتی ہیں اُس کے وسیلہ سے اُن سے فایدہ اُٹھا سکیں گے ؂

اِس کے بعد اُن لوگوں کا درجہ ہے جو جسمانی محنت کرنے کی لیاقت رکھتے ہوں اُن میں بھی اسقدر استعداد ہونی چاہیئے کہ آسان آسان کتابیں اور سہل سہل چھوٹے چھوٹے اخبار اور مذہبی مسائل کی کتابیں پڑھ سکتے ہوں۔ تھوڑا بہت اپنا مطلب لکھ لیتے ہوں۔ حساب کرسکتے ہوں ؂

جن قوموں میں ان سب مراتب کے تعلیم یافتہ مناسب تعداد سے موجود نہ ہوں اُس قوم کو کبھی ترقی نہیں ہوسکتی اور نہ دوسری قوم کی نگاہ میں وہ قوم کچھ عزت حاصل کرسکتی ہے۔ مدت سے میں نے اپنی اِس رائے پر غور کیا ہے جسپر میں نہایت مضبوط ہوں اور ایک

رسالہ میں جو میں نے لنڈن میں لکھکر مشتہر کیا تھا اُس میں بھی یہ رائے ظاہر کی تھی۔ اور میری اس رائے کی صحت اُن قوموں کے حالات پر نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے جو اب دنیا میں درجہ بدرجہ ترقی یافتہ موجود ہیں جس میں یہ باتیں پوری پائی جاتی ہیں وہ پوری ترقی میں ہے اور جس میں جتنی کمی ہے اُتنا ہی اُس میں نقصان ہے۔ پس یہ اندازہ قومی ترقی کا جو میں نے بیان کیا اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ ایسی ہی ترقی تعلیم کی ہماری قوم میں ہو جاوے پس اب میرا سوال یہ ہے کہ کیا وہ خانگی مکتب جو لوگوں نے کہیں کہیں قایم کیئے ہیں اور کیا یہ سرکاری مدارس جو بڑی شان و شوکت سے قایم ہیں ان سب قسموں کے تعلیم یافتہ اشخاص اور پھر اُسی تعداد مناسب سے جو میں نے بیان کی ہماری قوم میں پیدا کر دیں گے ہرگز نہیں اگر کسی کی رائے اس کے برخلاف ہو تو بتلا دے کہ ان مکتبوں اور سرکاری مدرسوں سے کون شخص ایسا پیدا ہوا ہے جسکو ہم اوّل قسم میں غایت درجہ دوسری قسم میں شمار کر سکیں ایک نہیں تو پھر کیوں نہ میری رائے صحیح ہو اور کیوں نہ اُسکو تسلیم کیا جاوے ؂

یہ امور جو مَیں نے بیان کیئے اور مکرّر کہا کہ سرکاری مدارس ہمارے تمام اغراض کے پورا ہونے کو کافی نہیں ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن کی اصلاح گورنمنٹ کی طرف سے بخوبی ناممکن ہے۔ میں دل سے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو سعی و کوشش گورنمنٹ نے ہندوستان کی تعلیم پر کی ہے وہ ایسی ہے جس کی مثال دنیا میں اور کسی عملداری میں موجود نہیں ہے۔ تمام رعایائے ہندوستان کو گورنمنٹ کی اُس فیاضی اور مہربانی کا جو اُس نے بالخصوص تعلیم کے باب میں ہندوستان کی رعایا کی نسبت کی ہے دل و جان سے شکر گزار رہنا چاہیئے۔ گورنمنٹ انگلشیہ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کی رعایا پر حکومت کرتی ہے اور اس لیئے اُس کو طریقہ تعلیم ایسا اختیار کرنا فرض ہے جو بالکل ناطرفدار ہو اور اُس نے ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے یہاں تک کہ اُس نے انتظام تعلیم میں اپنے مذہب کی اور اپنی قوم کی بھی کچھ طرفداری نہیں کی۔ پس یہ کیسی عجیب اور کیسی عمدہ بات ہے۔ مگر مسلمانوں کی تعلیم کا حال اَور قوموں کی تعلیم سے جو ہندوستان میں آباد ہیں بالکل مختلف ہے۔ اُن کا مذہب۔ اُن کی مذہبی تعلیم عام تعلیم میں ایسی ملی ہوئی ہے کہ جیسے جسم و جان۔ جب اُسکو علٰحدہ کیا جاویگا جسم بیجان ہو جاوے گا اور کبھی اس قسم کی بیجان تعلیم سے ہماری تمام اغراض پوری نہ ہوں گی برخلاف ہندوستان کی اَور قوموں کے کہ اُن کے یہاں مذہبی تعلیم عام تعلیم سے بالکل علٰحدہ ہے بلکہ سوائے ایک قوم کے اَور کوئی قوم کسی وقت میں اور اُس وقت میں بھی جبکہ اُن کے مُلک پر غیر قوموں نے حملہ نہیں کیا تھا مذہبی تعلیم سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ گورنمنٹ تمام

مذہبی تعلیم سے اپنے مدارس میں دست کش ہے اور اُسکو ایسا ہی کرنا چاہیئے پس گورنمنٹ کے مدارس ہندوستان کی اَور قوموں کے اغراض پورا کرنے کے لیئے نامناسب نہیں ہیں مگر مسلمانوں کے تمام اغراض کے پورا کرنے کو محض ناکافی ہیں - اور یہی باعث ہے کہ ہملوگ اُن سے وابستہ نہیں ہیں - باینہمہ ہم مسلمانوں کو بالتخصیص اپنی گورنمنٹ کا زیادہ شکر کرنا اس لیئے واجب ہے کہ اُس نے خاص مسلمانوں کی تعلیم پر بہ نسبت دوسری قوم کے زیادہ توجہ فرمائی ہے اور حضور عالیجناب **لارڈ نارتھ بروک** صاحب نے متعدد خاص خاص احکام اِس باب میں جاری کیئے ہیں - گورنمنٹ مدراس نے اسپر زیادہ توجہ کی ہے - اور گورنمنٹ بمبئی و بنگال نے بھی بہت کچھ ان دنوں میں تبدیلی کی ہے اور ہمارے مُلک کے جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے بھی حال میں کچھ نئی تجویزیں فرمائی ہیں اور گورنمنٹ پنجاب تو پہلے ہی سے اس طرف زیادہ متوجہ ہے مگر چونکہ گورنمنٹ پوری پوری تدبیر بمجبوری اختیار نہیں کرسکتی اس لیئے وہ تمام تدبیریں ادھوری ہیں جنکو انگریزی میں **ہاف میجر** کہتے ہیں اور اس لیئے باوصف کافی توجہ گورنمنٹ کے ہماری اغراض کو کافی اور ہمارے حالات کے پوری پوری مناسب نہیں ہیں - پس اس بیان سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک ہم خود اپنے لیئے عمدہ تعلیم کا ذریعہ قایم نہ کریں گے ہماری تمام اغراض جو تعلیم سے متعلق ہیں پوری نہ ہوں گی ٭

ان تمام حالات پر غور کرکر ایک گروہ مسلمان نے جس گروہ کا میں خادم ہوں یہ تجویز کی ہے کہ ایک مدرسۃ العلوم مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے **کیمبرج** اور **آکسفورڈ** کے نمونہ پر قایم کیا جاوے جس میں علوم دینی و دنیاوی اور تمام وہ علوم جنکی تعلیم قومی ترقی اور قومی عزت کا باعث ہو تعلیم دیئے جاویں اور مسلمان لڑکوں کی تربیت کا طریقہ بھی جو تعلیم سے بھی زیادہ ضرور ہے اُس میں نہایت عمدگی سے ملحوظ رکھا جاوے - اِس کام کے لیئے ایک کمیٹی مقرر ہے جسمیں مختلف اضلاع کے بزرگ و نیک طینت پاک سرشت لوگ ممبر ہیں اور مجھکو اِس بات کے کہنے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ پنجاب کے بزرگوں میں سے بھی خان بہادر محمد حیات خان صاحب سی-ایس-آئی اور خان بہادر محمد برکت علیخاں صاحب و نواب نوازش علیخاں صاحب و نواب عبدالمجید خاں صاحب بھی اُس کمیٹی کے ممبر ہیں اور علوم جو اس مدرسۃ العلوم میں پڑھائے جانے تجویز ہوتے ہیں اور جو طریقہ تعلیم و تربیت کمیٹی میں پیش ہوا ہے اُس کو کمیٹی نے مشتہر کیا ہے جو میرے پاس موجود ہے - اس طریقہ کی جو عمدگی اور خوبی ہے وہ اُسپر غور کرنے سے بخوبی واضح ہوتی ہے - مگر ایک آدھ بات اُس کی اِس وقت عرض کرنی مناسب سمجھتا ہوں ٭

طالب علموں کو جو اس سلسلہ تعلیم میں داخل ہوں گے علوم مذہبی کی بھی تعلیم دیجاوے گی سُنّیوں کو موافق اصول اہل سُنّت وجماعت کے اور شیعوں کو موافق اصول مذہب امامیہ اثنا عشریہ کے مذہبی تعلیم کا اہتمام خاص خاص ممبروں سے متعلق ہوگا جو اس کام کے لیئے منتخب کیئے جاوینگے - سُنّیوں کی تعلیم سُنّی ممبروں سے متعلق ہوگی اور شیعوں کی تعلیم شیعہ ممبروں سے - ایک حد معینہ تک جملہ طالب علموں کو علوم دینی پڑھنے ہوں گے اور اُسکے بعد ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ تک علوم مذہبی کی تکمیل کرے اور جو طالبعلم علوم مذہبی میں فایق ہوں گے اُن کے لیئے فلورشپ پچاس روپیہ ماہواری کی ایک میعاد مناسب تک ملنی تجویز ہوئی ہے - علوم دنیاوی کی تعلیم میں تمام مفید علوم جن سے قومی ترقی متصور ہے داخل ہیں اور عربی و فارسی و انگریزی اور اور قدیم زبانیں بھی داخل تعلیم ہیں - اور ایسا عُمدہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو طالب علم جس زبان میں چاہے تمام علوم کی تکمیل کرے - ممکن ہے کہ ایک طالب علم صرف عربی زبان پڑھے اور اُسی میں جون جون سے علوم چاہے اُن کی تکمیل کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کوئی طالب علم انگریزی زبان پڑھے اور اُسی میں علوم کی تکمیل کرنی چاہے اُسی کو پڑھے اور اُسی میں تکمیل کرے اور کامیاب طالب علموں کے لیئے بھی وظیفہ ماہواری اور بعد تکمیل علوم کے فلورشپ پچاس روپیہ ماہواری ملنی تجویز ہوئی ہے اور اُمید ہے کہ یہ ترغیبیں ایسی مفید ہوں گی کہ ہماری قوم کے لوگوں کو تعلیم وتربیت کی طرف زیادہ متوجہ کرینگی +

جو کہ ایک ایسا بڑا قومی کام بغیر امداد تمام قوم کے اور بلا جمع ہونے سرمایہ کثیر کے غیر ممکن ہے اس لیئے تمام قوم سے اس کام کے انجام کے لیئے چندہ دینے کی درخواست ہے ہر ایک غریب امیر کے سامنے ہاتھ پھیلایا جاتا ہے کہ خدا کے واسطے اپنی قوم کے واسطے اپنی اولاد کے واسطے اپنی قوم پر رحم کرو اور جو مقدور ہو اس کام کے انجام کے لیئے چندہ دو تاکہ سرمایہ جمع ہو اور اُسکی آمدنی اس مدرستہ العلوم کے اخراجات کے لیئے مکتفی ہو - زر چندہ سے اس مدرسہ کے لیئے جائداد خریدنی تجویز ہوئی ہے - جائداد دو قسم کی ہوگی - اوّل از قسم اراضی معافی یا دوامی اور دیہات مالگذاری - دویم گورنمنٹ پرامیسری نوٹ - اگرچہ مدت ہوئی کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اُس منافع کو جو گورنمنٹ پرامیسری نوٹ سے حاصل ہوتا ہے مباح وجایز بتلایا ہے اور اُنکا تحریری فتوےٰ لوگوں کے پاس ہے اور جناب مجتہد مذہب امامیہ نے بھی اُس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اہل مذہب شیعہ کو اُس کے جواز میں کچھ شبہ و تامل نہیں ہے الا بعض بزرگان اہل سنت وجماعت کو اُس کے جواز میں کلام ہے اور اس لیئے وہ پسند نہیں کرتے

کہ اُن کا روپیہ پرامیسری نوٹ میں لگایا جاوے اس لیئے یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ جو صاحب چندہ دینے والے پرامیسری نوٹ کے خریدنے سے ممانعت کریں گے اُن کا چندہ نہایت احتیاط سے علیحدہ رہے گا اور بجز دیہات کے خریدنے کے اَور کسی کام میں نہ لگایا جاوے گا یہ قاعدہ بھی قرار پایا ہے کہ اگر کوئی صاحب یہ بات متعین کردیں گے کہ اُن کا روپیہ فلاں علم کی تعلیم میں خرچ ہو تو اُن کے روپیہ کی آمدنی اُسی علم کی تعلیم میں خرچ ہوگی - یہ قواعد ایسی دُور اندیشی سے مقرر کیئے گئے ہیں کہ کسی شخص کو اس بات کا رنج و اندیشہ نہیں رہنے کا کہ اُس کا روپیہ اس طرح پر کام میں آتا ہے جو اُس کی مرضی کے موافق نہیں ہے - اس کمیٹی کی رجسٹری حسب قانون عملمیں آئی ہے جس سے کوئی ممبر روپیہ کو اُس کام کے سوا جس کے لیئے روپیہ ہے اَور کسی بات میں خرچ نہیں کرسکتا - یہ بھی قاعدہ قرار پایا ہے کہ اصل سرمایہ جو چندہ سے جمع ہوگا وہ کبھی خرچ نہیں کیا جاویگا - بلکہ اُس روپیہ سے جائداد لیجاوے گی اور صرف زر آمدنی جائداد مدرسۃ العلوم میں خرچ ہوگا اور سرمایہ ہمیشہ قایم رہے گا - بہت سے امیروں وغیرہوں نے اس کام میں مدد کی ہے اور اِس وقت تک مقدار چندہ ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ ہوگئی ہے - حضور عالی جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب نے اپنی فیاضی سے دس ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے اس کام کے لیئے چندہ مرحمت فرمایا ہے جس کے لیئے تمام مُسلمانوں کو شکرگذار ہونا واجب ہے اور اَور رئیسوں نے بھی چندہ دیا ہے سوائے جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب کے چندہ کے بڑی سے بڑی مقدار چندہ کی پانچہزار روپیہ اور چھوٹی سے چھوٹی مقدار ایک پیسہ ہے اگرچہ اس بات سے نہایت افسوس ہے کہ کسی مسلمان رئیس کا چندہ ابتک حضور لارڈ نارتھ بروک صاحب کے چندہ سے بڑا نہیں[لہ] ہے حالانکہ ضرور تھا کہ ایسے کام کے لیئے متعدد رئیسوں کے چندے حضور ممدوح کے چندہ سے بہت بڑے بڑے ہوتے +

اس وقت تک اسی قدر نتیجہ کمیٹی کی کوشش کا ہے مگر جابجا سب کمیٹیاں مقرر ہوتی جاتی ہیں اور قوم بھی اس کام پر کچھ کچھ متوجہ ہونے لگی ہے اور اُمید ہے کہ روز بروز چندہ کو ترقی ہوتی جاوے گی - ارادہ ہے کہ دس پندرہ لاکھ روپیہ اسی طرح چندہ سے جمع کیا جاوے - گورنمنٹ نے سرکاری طور پر بھی اِس مدرسہ کی امداد کا بموجب قواعد گرینٹ اِن ایڈ کے وعدہ فرمایا ہے

لہ - بعد اس کے حضور عالی نواب صاحب بہادر والئی رامپور نے پندرہ ہزار روپیہ نقد اور بارہ سو روپیہ سالانہ کی جاگیر مالیتی تیس ہزار روپیہ علاوہ اخراجات فونڈلیش کے مرحمت فرمایا ہے جس کی کُل تعداد پچاش ہزار روپیہ ہے + ۱۲

پس جس قدر چندہ ہم جمع کریں گے اور جس قدر آمدنی اُس سے پیدا کریں گے اُسیقدر گورنمنٹ بھی عطا کرے گی۔ پس ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ جو کمیٹی نے جمع کیا ہے اُسکو دو لاکھ سے زیادہ تصور کرنا چاہیئے اور اسی طرح جس دن کمیٹی پانچ لاکھ روپیہ جمع کرلے گی حقیقت میں دہ دس لاکھ ہوں گے اور جس وقت ساڑھے سات لاکھ روپیہ جمع کرلے گی اُس وقت وہ پندرہ لاکھ ہونگے اور اگر خدا کی مدد سے کمیٹی نے پندرہ لاکھ روپیہ جمع کرلیئے تو وہ حقیقت میں تیس لاکھ ہونگے۔ پس اس وقت کمیٹی کی نظر پنجاب کی سخاوت اور فیاضی پر ہے اور اُمید کرتی ہے کہ پنجاب کی فیاضی سے بہت کچھ فایدہ مُسلمانوں کی قومی ترقی و قومی عزّت کو ہوگا۔

مُسلمانوں کی کمیٹی جس وقت کہ اس نیک کام میں سعی کر رہی تھی تو اُس کو اُمید قوی تھی کہ ہر فرقہ کے تمام مسلمان بلا لحاظ کسی باہمی اختلاف کے یا اختلاف رائے کے اور بلا خیال اختلاف مذہب کے باہم متفق ہو کر اس نیک کام کے انجام میں مدد و معاون ہوں گے۔ بڑا اندیشہ اس بات کا تھا کہ مباداسُنّی شیعہ بسبب اختلاف مذہب کے باہم کچھ اختلاف کریں۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شُکر ہے کہ ان دونوں فرقوں میں تو اس بات کا کچھ اختلاف نہیں ہوا۔ سُنّی و شیعہ دونوں کمیٹی اسلامی کے ممبر ہیں اور دونوں ایک دل ہو کر اس کار خیر کے انجام میں ساعی ہیں مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ سُنّیوں ہی میں سے بعض لوگوں نے جو تعصب مجسّم ہیں اس کام سے اختلاف کیا ہے اور جہاں تک اُن سے ہو سکا ہے اس کام میں خلل ڈالنے اور اُس میں ابتری کرنے کی کوشش کی ہے اور کوئی دقیقہ اس قومی بھلائی کے معدوم کرنے میں اپنی دانست میں باقی نہیں چھوڑا۔ جابجا جھوٹے اور اتہام کے بھرے ہوئے رسالے تقسیم کیئے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ پنجاب میں بھی بہت سے آئے ہوں گے۔ مگر جن کے نام سے وہ رسالے آئے ہیں اُن کا نام نامی اس معاملہ میں تو صرف ایک پردہ ہے اور جتنی تحریریں اُن کے نام سے چھپی ہیں صرف اُن کا نام ہی نام ہے ورنہ در اصل ایک اَور صاحب جو اُن کی خدمت میں حاضر ہیں اور یہ سب تحریریں کرتے ہیں اُنھوں نے چند میرے اقوال کو کسی قدر صحیح و کسی قدر تحریف کر کر ایک فتوے تحریر کرایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان اقوال کے سبب سیّد احمد کافر و مرتد ہے۔ مجھے اس میں کچھ کلام نہیں کیونکہ مَیں اُن کے کافر بنانے سے کافر نہیں ہو سکتا۔ تکفیر کے فتوے کچھ نئی بات نہیں ہے۔ کون شخص بزرگان دین میں سے بچا ہوا ہے جس کی تکفیر کے فتوے نہیں ہوئے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کے فتوے ہوئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کافر بنائے گئے۔ جناب حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کافر قرار دیئے گئے اور علماء ہی کے فتوے سے اُنکی

ریش مبارک نوچی گئی اور گوالیار کے قلعہ میں قید ہوئے - اگر میں اُن سب بزرگوں کا نام لوں جن پر کفر کے فتوے جاری ہوئے تو غالباً کئی جزو میں بھی اُن کی فہرست ختم نہ ہوگی - پس جبکہ یہ حال ہے تو مَیں غریب کس گنتی میں ہوں - مجھ کو اپنی تکفیر کے فتووں کا نہ کچھ ڈر ہے نہ کچھ غم - مگر میں صرف اُس جھوٹی بات کا ذکر کرتا ہوں جو مدرستہ العلوم کی نسبت اُس فتوے میں مندرج ہے - یہ وہ فتوے ہیں جو میرے ہاتھ میں ہیں اور یہ طریقہ تعلیم ہے جو مدرستہ العلوم کے لیئے کمیٹی میں پیش ہوا ہے - جو استفتا کیا گیا ہے اُس میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ مَیں ایک شخص نہایت بدعقیدہ ہوں اور اُنھیں بدعقیدوں کے موافق مذہبی تعلیم مدرستہ العلوم میں جاری کرنا چاہتا ہوں اور اس دروغ بے فروغ کو حقیقت واقع قرار دیکر سوال کیا ہے کہ ایسی حالت میں تاکید مدرستہ العلوم جائز ہے یا نہیں - پس یہ بات جو استفتا میں لکھی گئی ہے ہر شخص کمیٹی کی رویدادیں دیکھکر کہہ سکتا ہے کہ محض جھوٹ ہے - کمیٹی نے صاف صاف تجویز کیا ہے کہ جو مذہب شیعہ و سُنّی کا ہے اور جو اُصول اُن کے مذہب کے ہیں اور جو کتابیں اُن مذہبوں کی ہیں - وُہی مذہب اور وُہی اصول اور وُہی کتابیں مدرستہ العلوم میں پڑھائی جاویں گی - میرے بدعقیدہ ہونے یا نہ ہونے کو اُس میں کچھ مداخلت نہیں ہے - میرے عقیدہ سے لوگوں کو کیا کام ہے - یہ مدرسہ عام لوگوں کے لیئے بنایا جاتا ہے جس میں متعدد فرقہ مسلمانوں کے شیعہ و سُنّی - وہابی و بدعتی داخل ہیں اور یقینی ایک دوسرے کو بدعقیدہ سمجھتا ہے - پس جو شخص کہ اس مدرسہ کے قیام میں کوشش کرے گا وہ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا کہ تین فرقہ منجملہ چار فرقوں کے اُس کو بدعقیدہ سمجھیں گے اور ایسا کوئی ایک شخص بھی پیدا نہ ہوسکے گا جس کو چاروں فرقہ نیک عقیدہ سمجھیں - پس میں اُن بزرگواروں کے نزدیک جو مجھے کافر بتاتے ہیں خواہ اَور دس بیس مسلمانوں کے نزدیک بدعقیدہ سہی مگر مدرستہ العلوم کا اس میں کیا نقصان ہے - ہر ایک فرقہ کے لوگوں کو یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ جو مذہبی تعلیم اُس میں ہونی قرار پائی ہے وہ اُس فرقہ کے مذہب سے جس فرقہ کے لیئے وہ تعلیم ہے موافق ہے یا مخالف ؛

اے بزرگان پنجاب ! میں آپ سے تمثیلاً ایک بات عرض کرتا ہوں - میں فرض کرتا ہوں کہ مَیں بدعقیدہ ہوں - مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک کافر مرتد آپکی قوم کی بھلائی پر کوشش کرے تو کیا آپ اُسکو اپنا خادم اپنا خیر خواہ نہ سمجھیں گے - آپ کے لیئے دولت سرا بنانے میں جس میں آپ آرام فرماتے ہیں اور آپ کے بچے پرورش پاتے ہیں - آپ کے لیئے مسجد بنانے میں جس میں آپ خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارتے ہیں جو چمڑے - چمار - قلی کافر - بُت پرست - بدعقیدہ سب مزدوری کرتے ہیں - مگر آپ نہ کبھی اُس دولتخانہ کے دشمن

ہوتے ہیں اور نہ بھی اُس مسجد کے منہدم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ پس اب مجھ کو بھی اس مدرسۃ العلوم کے قایم کرنے میں ایک قلی چمار کے مانند تصور کیجئے اور میری محنت اور شفقت سے اپنے لیئے گھر بننے دیکھئے اور اس وجہ سے کہ اُس کا بنانے والا یا اُس میں مزدوری کرنے والا ایک قلی چمار ہے اپنے گھر کو مت ڈھائیے۔ کیا آپ صاحب مجھ ایک بدبخت نامہ سیاہ کی شامت اعمال سے اپنی تمام قوم کو اور اُن کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ ڈبونا اور خراب وخستہ حالت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ صاحب میری حالت کو بدتر جانتے ہو اُسی سے عبرت پکڑو اور برلئے خدا اپنی قوم کی اور اپنی اولاد کی بھلائی و بہتری کی فکر کرو۔ اگر مجھ کو بدعقیدہ و کافر اور مرتد جانتے ہو اور میرے ہاتھ سے اس کام کا ہونا ناپسند کرتے ہو بسم اللہ۔ مَیں علٰحدہ ہونے پر موجود ہوں۔ کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو اور اس تمام کام کو انجام دے۔ چشم ما روشن۔ مگر یہ بات کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے کہ نہ آپ کریں اور جو کوئی دوسرا کرے تو اُس کو کافر و مرتد بتلاویں ہمت و جوانمردی اور قومی ہمدردی کی بات یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کرو۔ اور اگر یہ دیکھتے ہو کہ مجھ سے قوم کو بُرائی پہونچنے والی ہے فے الفور مجھ کو الگ کرو اور خود اِس کام کے انجام کا بیڑا اُٹھاؤ۔ ورنہ کانپور میں بیٹھے رہنا اور جو کام کرنے کا ہے اُس سے کانوں پر ہاتھ دھرنا کسی شخص کے نزدیک بھی پسندیدہ نہوگا ٭

اے صاحبو۔ مَیں دن رات اِس غم میں اپنی زندگی بسر کرتا ہوں کہ انسان کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں ہے خصوصاً مجھ سے آدمی کا جس نے بہت بڑا حصہ اپنی زندگی کا طے کرلیا ہے۔ اور اگر کچھ باقی ہے تو بہت قلیل باقی ہے۔ جب میرے کوچ کا وقت آن پہنچے گا تو کون شخص اس تمام کام کو اُٹھا دے گا اور کون شخص اس کام کو انجام پہنچاوے گا۔ اگر خدا تعالٰے کوئی ایسا شخص پیدا کرے کہ وہ میری زندگی ہی میں مجھ کو اس کام سے آزاد کردے اور تمام بوجھ اپنے اوپر اُٹھالے تو مجھ کو تو اس سے زیادہ خوشی اور خورمی کا کوئی وقت نہیں ہونے کا مگر جب تک میری زندگی ہے یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ مَیں اپنی قوم کو کنوئیں میں گرتا دیکھوں اور چپکا بیٹھا رہوں اور اپنی قوم کو مرتا پاؤں اور اُس کے مُنہ میں پانی نہ چواؤں ٭

ہاں ایک بات مدرسۃ العلوم میں تعلیم کی نسبت ضرور قرار پائی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو مسلمان انگریزی ہی پڑھنا چاہے بلکہ انگریزی کے سوا اَور چند قدیمی زبانیں بھی تحصیل کرنا چاہے تو اُسکو ضرور پڑھائی جاویں گی۔ پس جو لوگ کہ انگریزی پڑھنے کو کفر و ضلالت سمجھتے ہیں اُنکو جواب دینے کو میرے پاس کچھ نہیں ہے ٭

یہ بھی سچ ہے کہ مدرسۃ العلوم میں یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ دنیاوی علوم وہ پڑھائے جاویں

جو اس زمانہ میں مفید و کارآمد ہیں اور ایسا انتظام تعلیم کیا جاوے کہ جن علوم و فنون جدیدہ سے جو یورپ میں ایجاد ہوئے ہیں اور جن سے ہماری قوم ناواقف محض ہے اُن سے واقفیت کامل حاصل ہو۔ جن لوگوں کو یہ بات ناگوار ہے اُس کا بھی کچھ علاج نہیں مگر اتنی بات تو ضرور سمجھنے اور تصفیہ کرنے کے قابل ہے کہ آیا ان لوگوں کی ناگواری نسبت ان علوم کے نا واجب ہے یا اُن علوم کا تعلیم میں داخل کرنا ناواجب ہے مَیں چاہتا ہوں کہ اس کا تصفیہ ایک ایسے عالم مُسلمان کی رائے پر چھوڑا جاوے جو خود بھی عالم ہے اور بہت سے عالم مُسلمان اُس کے تحت میں ہیں اور وہ خود ایک مسلمانی سلطنت کا نائب السلطان ہے اور کئی لاکھ مُسلمانوں پر حکومت کرتا ہے وہ خود مُسلمان ہے مُلک کا مُلک مُسلمان ہے حکومت مُسلمان ہے۔ پس اب دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ یہ شخص وُہی ہے جس کا نام نامی تھوڑی دیر ہوئی کہ مَیں نے لیا تھا یعنی سید خیر الدّین وزیر سلطنت ٹونس۔ یہ کتاب اُسکی اقوام المسالک میرے ہاتھ میں ہے اور مَیں چند مقام اُس کتاب کے آپ صاحبوں کو سُناتا ہوں۔ اُنھوں نے ارقام فرمایا ہے کہ جب میں نے دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور تنزّل کے اسبابوں کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مُسلمانوں اور فرنگیوں کی تواریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُن کو نکالا اور جو کیفیت مُسلمان لوگوں کی اُن حالات کے لحاظ سے جو اُن پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھی اور جو فی زماننا طاری ہیں اور جو آیندہ تجربہ کی رُو سے اُن پر ہونے والی ہیں اُن دونوں قوموں کے مورّخوں نے لکھی ہے اُسکو بھی میں نے دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مُسلمان مخالف نہ ہوگا اور نہ اُس کی مخالفت کے واسطے وجہ نکلے گی کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی خوبی کا خیال کریں اور اُس کی ہمّت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پائیں تو اس صورت میں ہمکو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح سمجھنے اور جانچنے کے لیئے بجز اس کے اَور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کی حالت کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے اور اُس کی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کی حالت کو جو ہمارے قرب و جوار میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم اُن جدید ہُنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو فی زماننا علم و عمل کے موافق ہونے سے پیدا کیئے گئے ہیں اور اُن باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا بمنزلہ ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس قسم کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملی جلی اور ایک دوسرے پر موقوف ہیں اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص خاص ضرورتوں میں

اپنے ہی نفس کا محتاج ہے مگر بلحاظ اُن فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایکدوسری کی محتاج ہیں پس جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا جو ہمارے تجربہ کے رُو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہ بھی اپنی دیانت کی رُو سے جانتا ہوگا کہ شریعت اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بُنیاد ہے تو اُس شخص کو یہ بات نہایت بُری معلوم ہوگی کہ وہ ایسے علمائے اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اس بات کے ذمہ وار ہیں کہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا ضرور لحاظ رکھیں۔ غوامض اور دقایق شرعیہ کے کھولنے اور مصالح دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلو تہی کرتا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا پاوے اور ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے ذہن اُن سے خالی رہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس کو اُن باتوں کے دریافت کرنے سے جو اُن کی ترقی اور بھلائی کے لیئے ضرور ہیں محروم رکھتا ہے"۔

پھر وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "سب سے بڑا کام اس کتاب کے تالیف کرنے سے میں نے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ میں اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علماء کو ان باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے لوگوں کو ایسی باتیں دریافت کرنے میں مدد ملیگی جنکی حسب مقتضائے زمانہ اور مصلحت وقت ہمکو نہایت بڑی ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زماننا انسان کے جملہ معاملات ظاہری اور باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علے العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں وہ سب بیدار ہو جاویں"۔

پھر وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "یورپ کی قوموں کے تمام معاملات نظم و نسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو میں نے اس غرض سے بیان کیا ہے کہ مُسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسب حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کرلیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ شاید وہ اُس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کرلیں جو کبھی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید اس ذریعہ سے ہم اپنے یہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آجکل لوگوں میں پھیل رہی ہے"۔

پھر وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب مذکورہ بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو ظاہرا دو وجہ سے معلوم ہوئی۔ اگرچہ حقیقت میں ان دونوں وجہوں کا مآل واحد ہے ایک تو ان دونوں میں سے غیرت دلاکر برانگیختہ کرنا غیرت دار اور

عقلمند اور عالم اور صاحب ثروت اہل سیاست مسلمانوں کا اس بات پر ہے کہ وہ ذرا ہوشیار ہوکر اُن وسیلوں کو دریافت کریں جن کے سبب سے مسلمانوں کی یہ خراب حالت آئندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم و فضل اور طریق تمدن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت و عزت کے سامان مہیا ہوں مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور اُن سب کاموں کے اسباب اُن کے لیئے پیدا ہوجاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ سب رفع ہوجاویں ۔

دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہراً اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب والے کی تالیفات یا عُمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہوجاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل نا واقفیت کی ہے اور سراسر خطا ہے ۔ اس لیئے کہ جو کام فی نفسہٖ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُس کو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھی ہملوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُسکو ہم سے ہی اڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کام کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کے عملدرآمد میں تھا تو ہمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے ۔ اور گو یہ بات مسلّم ہے کہ ہر اہلمذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دُنیوی باتیں بھی بُری ہوجاویں یا جو کام کہ مصلحت مُلکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہوجاوے اور ہمکو اُن کاموں میں غیرمذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو ۔ دیکھو فرنگیوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہوجاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک پڑھے لکھے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظرِ امتیاز سے تاڑ کر جانچے

اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اُسکو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین میں سچا ہو یا جھوٹا اس لیئے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لیئے بمنزلہ گم شدہ چیز کے ہے جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لے لے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے" قول کی خوبی کی طرف دیکھو قایل کے حال کی طرف مت دیکھو" اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھکر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اُس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا علم اُس کا کچا ہے تو پھر ہمکو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کار آمد دیکھیں اُن کو نہ یاد کر لیں اور جن باتوں کی طرف ہمکو مکائد اعدا سے محفوظ رہنے اور صدہا منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں۔ کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وُہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُنپر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہمکو غیر قوم کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں شیخ محمد بن عابد ابن الحنفی نے تو یہاں تک تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُنکے حق میں مضر ہیں اُن میں اُن کی مشابہت سے کچھ اُن کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ صریح فرنگیوں کا بُنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور اُنھیں کا اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور اُنھیں کے ہتھیار اور اَور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں"۔

اسی قسم کی بہت سی باتیں اس عالی مرتبہ مصنف نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں۔ پس دیکھو کہ کس طرح ایک مسلمانی سلطنت کا وزیر اور نہ صرف وزیر بلکہ ایک بہت بڑا عالم ہمکو علوم و فنون جدیدہ کے حاصل کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور صرف رغبت ہی نہیں دلاتا بلکہ اُس کو

دینی و دنیاوی ترمی ترقی و بہبودی کا ذریعہ بتاتا ہے ۔

بعض بزرگوار ہمکو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ انگریزوں کو سلام مت کرو کیونکہ اس میں اُن کی عزت کرنا ہے حالانکہ مسلمانوں کو انگریزوں کو عزت کرنی جائز نہیں ہے لیکن اگر کچھ غرض ہو تو مضایقہ نہیں۔ پھر انگریزوں سے مصافحہ کرنے کو حرام بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مصافحہ کیا ہو۔ تو ہاتھ دھو ڈالنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر غلطی سے کسی انگریز کو سلام کرلے تو جاکر کہے کہ میرا سلام پھیر دو۔ وہ کہتے ہیں کہ انگریزوں سے دل سے جُدائی اختیار کرنی چاہیئے اُن سے دوستی نہ رکھے وہ ہر ایک بات کو جو انگریز کرتے ہیں گو کہ وہ دنیاوی ہی کیوں نہ ہو کفر بتاتے ہیں۔ اُن کے علوم کو سیکھنا اُن کے طریقہ تمدن و معاشرت کو سیکھنا اُن کے ساتھ بیٹھنا اُن کے ساتھ کھانا گو کہ اُس میں کوئی چیز بھی محرمات شرعیہ میں سے نہ ہو کفر بتاتے ہیں۔ اُن کی دوستی کو تو اشد کفر میں اُنھوں نے داخل کیا ہے۔ پس اب آپ صاحب ان دونوں نصیحتوں پر غور فرماویں کہ ان میں سے مسلمانوں کے لیئے کون سی بہتر ہے۔ میں تو اس پچھلی نصیحت کو مذہب اسلام کے بھی برخلاف جانتا ہوں۔ کیا ہمارا مذہب اسلام جو بالکل سچائی ہے ایسی دوغلی باتیں سکھاتا ہے اور کیا ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں یہ بہتر ہے کہ انگریزوں سے دشمنی رکھیں۔ دریا میں رہیں اور مگر مچھ سے بیر۔ اور کیا درحقیقت مذہب اسلام کا یہ حکم ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ مذہب کی رُو سے ہمارا فرض ہے کہ ہم بادشاہ وقت کی گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو دل سے اطاعت کریں۔ سب سے محبت و سچی دوستی سے ملیں۔ جو عیسائی و یہودی و ہندو ہمارے دوست ہیں ہم نہایت سچی دوستی اور دلی محبت سے اُن سے پیش آئیں مگر اُن کے مذہب کو سچا نہ سمجھیں بلکہ خدا سے دُعا مانگیں کہ وہ ہمارا دوست اسلام کی راہ راست پر آجاوے۔ اگر ہم اپنے مذہب کی خوبی اور نیکی اور عمدگی غیر مذہب والوں کو دکھانی چاہیں اور اُن کے دلوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنا چاہیں تو بھی اس سے زیادہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم اُن سے نہایت سچی محبت اور دلی ہمدردی سے پیش آویں۔ ہمارے ہادی ہمارے پیشوا خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کیا۔ خدا فرماتا ہے۔ فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك تمام بزرگان دین نے بھی یہی طریقہ برتا ہے انھیں کی بدولت قبل اس کے کہ سلطنت اسلامیہ ہندوستان میں آوے اسلام کے نور سے ہندوستان منور ہوا ہے جن کے مزارات متبرکہ کے نشانات اب تک ہندوستان کے ہر مقام میں موجود ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ہمارے دوست مولوی امداد العلی صاحب

کے اقبال بھی یہی ہیں۔ ایام غدر میں اُنھوں نے بہت کچھ خیر خواہی انگریزی گورنمنٹ کی کی ہے۔ **میوٹنی میڈل** جس میں جناب ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تصویر ہے اُن کو ملا ہے اُسکو پہنتے ہیں اور نہایت فخر کرتے ہیں۔ ہر ایک انگریز سے نہایت عاجزی سے پیش آتے ہیں۔ اور اگر کبھی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر صاحب مجلس میں ہوتے ہیں تو اپنا دل اور اپنی آنکھیں فرش راہ کرتے ہیں۔

اے صاحبان۔ مجھ کو معاف کرو کہ میری گفتگو کچھ لمبی ہو گئی۔ میرا مقصد تھا کہ اس مجلس عام میں تمام حالات کو صاف صاف بیان کروں اور یہ بات ظاہر کر دوں کہ مدرسۃ العلوم کی مخالفت کچھ قوم کے لیئے بھلائی نہیں ہے اگر آپ صاحب اس میں کچھ نقصان دیکھیں اُس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں نہ کہ اُس کی بربادی کی فکر کریں جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا پھر اخیر میں یاد دلاتا ہوں کہ میری شامت اعمال پر خیال نفرماویں بلکہ اسپر غور کریں کہ جو تدبیریں مسلمانوں کی تعلیم و بہتری کی کی گئی ہیں اُن میں کیا نقص ہے اگر میرے ہاتھ سے اس کا انجام ہونا مناسب نہ ہو اور میری شامت اعمال ایسے درجہ پر پہنچ گئی ہو کہ مسلمانوں کی خدمت کرنے کے بھی قابل نہ رہا ہوں میں نہایت دل سے اور خوشی سے اس بات پر راضی ہوں کہ اَور کوئی صاحب کھڑا ہو اور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے اور جس طرح مقصود ہے اُسکو انجام پہنچاوے۔

اے برادران دینی۔ یہ سب نزاعیں اور مخالفتیں جو پیش آتی ہیں یہ پوری دلیلیں ہماری قوم کی بدنصیبی و بداقبالی کی ہیں۔ دیکھو ہماری قوم کا کیا حال ہو گیا ہے اور کیا ہوتا جاتا ہے اور اس قسم کی لغو و بیہودہ نزاعوں اور تفرقوں سے کیا ہو جاوے گا۔ پس ہم سب کو واجب ہے کہ باہم اتفاق و ہمدردی سے اپنی قوم کی بھلائی میں متفق ہوں اور اس مدرسۃ العلوم کے قایم ہونے کے لیئے جو جس کی توفیق ہو خود بھی مدد کرے اور نیز اَور لوگوں سے تحصیل کرنے میں بھی کوشش کرے۔

اس شہر میں آپ صاحبوں نے جو صدر سب کمیٹی واسطے تحصیل چندہ مدرسۃ العلوم کے مقرر کی ہے اُس کی شکرگزاری ہم مسلمانوں پر واجب ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ اس کے محرک ہوئے ہیں اُس کی جزائے خیر خدائے کریم سے پاوینگے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ جب تک مسلمانوں کی نسل ہندوستان میں ہے اُن کا نام نامی ہمیشہ ہماری قوم میں یاد رہے گا۔ اب میں آپ صاحبوں کا دل و جان سے شکر ادا کرتا ہوں۔ اور جس طرح کہ میں بزرگان پنجاب کا شکرگزار اور ممنون ہوں اُسی طرح پنجاب کے نامی گرامی

اخباروں اور اُن کے اڈیٹروں بالتخصیص پنجابی اخبار لاہور و کوہ نور و اخبار انجمن پنجاب و پٹیالہ اخبار کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے مدرسۃ العلوم مسلمانان کی بڑی تائید کی اور جو حق قومی ہمدردی کا تھا وہ ادا کیا - خدا ہمارے کاموں کا مددگار ہو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ
تعالےٰ علےٰ خیر خلقہ محمد و الہ واصحابہ
اجمعین برحمتک
یا ارحم الراحمین۔

۱۲

تقریر جو انجمن پنجاب لاہور کے ایڈریس کے جواب میں ۳۰- دسمبر ۱۸۷۳ء کو بمقام لاہور دی گئی

صدر انجمن و ممبران انجمن!

آج جو عزت اس ایڈریس کے ذریعہ سے آپ نے مجھ کو بخشی ہیں دلی احسانمندی کے ساتھ اُس کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ یہ دن مجھ کو اپنی زندگی کے دنوں میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ لیکن مجھ سے جو کچھ ناچیز خدمتیں ظہور میں آئیں اُن سے بہت زیادہ آپ صاحبوں نے خیال کیا۔ مَیں خود اپنے تئیں اُن عزتوں کا مستحق نہیں سمجھتا جو آپ صاحبوں نے مہربانی سے مجھ کو دیں۔

اے ایاز قدرِ خود بشناس۔ مجھ کو ابتک آپ لوگوں کی خدمتگذاری اور خدمتگاری کا رتبہ بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ میں یہ دعوے کروں کہ مَیں قوم کی بھلائی کے لیئے کھڑا ہوا ہوں۔ یہ ایک ایسا رتبہ ہے جو ایسے شخص کے لیئے زیبا ہے جس نے حقیقت میں وہ کام کیئے ہوں جن سے قوم کی بھلائی ہوئی۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ مجھ سے اپنی قوم کی خدمت کا حق ادا نہیں ہوا۔ یہ سب تقریر جو اس وقت انجمن میں میری نسبت ہوئی یہ آپ صاحبوں کا حسن ظن ہے۔ میں نے اس وقت انجمن میں اپنی زبان سے کئی دفعہ "قوم" کا لفظ بیان کیا اس سے میرا مطلب صرف مسلمانوں ہی سے نہیں ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اگر تمام انسان بالکل شخص واحد ہیں اور میں قوم کی خصوصیت کے واسطے مذہب اور فرقہ اور گروہ نہیں پسند کرتا۔ میری رائے اگر سچ ہو تو میں کالے سے کالے رنگ کے انسان کو اور گورے سے گورے رنگ کے انسان کو وہ جو اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کی تہذیب میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ جو ابھی نیچر کے جوش میں ہیں اور جنگلوں میں اپنے دن کاٹ رہے ہیں سب کو اپنا بھائی اور ایک قوم تصور کرتا ہوں۔ میری تمام آرزو یہ ہے کہ بلالحاظ قوم و مذہب کے تمام انسان آپس میں ایک دوسرے کی بھلائی پر متفق ہوں۔ مذہب بے شک سب کا علیحدہ علیحدہ ہے مگر اُس کے لحاظ سے آپس میں کوئی دشمنی کی وجہ نہیں ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے موجود ہوتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی کسی کھانے کو پسند

کرتا ہے اور کوئی کسی کو۔ مگر اس اختلاف طبائع کی وجہ سے اُس دسترخوان پر بیٹھنے والوں کو
باہم کچھ رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس دربار میں مختلف مذہبوں کی وجہ سے مختلف مذہب والوں
میں کوئی وجہ باہمی رنج کی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص اپنے ایمان کا مختار بلکہ میرے رائے میں
اُسپر مجبور ہے اس لیئے کہ جس چیز کا یقین اُس کے جی میں ہے اُسی کو وہ اختیار کرے گا
وہ یقین دوسروں کے دل میں اثر نہیں کرتا۔ اچھا ہے تو اُس کے لیئے۔ بُرا ہے تو اُسکے لیئے
لیکن آپس کی محبت میں جو انسانوں کی راحت کا سب سے بڑا اجر ہے اُس سے کچھ نقصان
نہیں آسکتا۔ جس وقت مَیں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس انجمن میں مختلف خیالات کے ممبروں
نے میری خدمتوں کو پسند کیا اور اُن سب نے آپس کے اتفاق سے مجھ کو یہ عزت دی۔ تو
میری خوشی حد سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ میری اصلی رائے یہ ہے کہ اُس سچے مذہب میں جس
میں ہوں اور جسکو مَیں اپنے نزدیک سب سے اچھا جانتا ہوں جس طرح خدا کا واحد جاننا فرض
ہے اسی طرح اس بات کا یقین کرنا فرض ہے کہ تمام انسان آپس میں بھائی ہیں۔ محبت قومی
اور خیرخواہی قومی ایک بہت بڑی اچھی چیز ہے جس کا مَیں کچھ کچھ حال آپ کے سامنے
بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے (اگر صحیح ہو تو آپ پسند کریں اگر غلط ہو
تو آپ مجھ کو معاف فرماویں) کہ ہر انسان کا اوّل فرض یہ ہے کہ جو کام اُس کے معبود نے
اُسپر فرض کیئے اُن کا ادا کرنا۔ اُس کے بعد سب سے عمدہ چیز جسپر شاید تمام قوموں کا اتفاق
ہے وہ خیر جاری کا اختیار کرنا ہے۔ مگر اب خیال کیجیئے کہ خیر جاری کیا چیز ہے۔ اگر ہم اُن
عادات بدنی کو جو دوسری دنیا میں ہماری نجات کا ذریعہ ہوں گی خیر جاری خیال کریں تو
معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب عبادتیں انسان کی زندگی تک ہیں اور اجل پر سب کا خاتمہ ہو جاتا
ہے۔ پس کسی طرح ہم اُس کو خیر جاری خیال نہیں کرسکتے۔ اگلے بزرگوں نے خیال کیا
ہے کہ رفاہ عام کی عمارتیں خیر جاری ہیں۔ مثلاً پُل و مسجد و چاہ و مہمانسرائے۔ مگر معاف
کیجیئے کہ مَیں اس سے کچھ اختلاف کرنا چاہتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ وہ تمام عمارتیں فانی
ہیں۔ ایک نہ ایک دن قبل قیامت ضرور اُن کو فنا ہے۔ بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں جن کا
اب نشان تک بھی دکھلائی نہیں دیتا۔ یہ لاہور کی بڑی بادشاہی مسجد دیکھو کس حالت سے
کس حالت پر پُہنچ گئی ہے اور ضرور ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ اُس مسجد کی یہ حالت بھی باقی
نہ رہے گی۔ پس جب اُن عمارتوں کو بھی فنا ہے تو ہم اُن کو خیر جاری نہیں کہہ سکتے اور اب
ضرور ہے کہ خیر جاری کسی ایسی چیز میں منحصر ہو جس کو فنا نہ ہو اور وہ ظاہرا انسان کی نسل ہے
جو اس دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ پس میری رائے میں کوئی چیز قومی بھلائی اور انسانوں کی